محبت کیا ہے؟

بلال عبد الحی حسنی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

محبت کیا ہے؟

بلال عبد الحی حسنی ندوی

ناشر
سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

ربیع الاول ۱۴۳۹ھ - دسمبر ۲۰۱۷ء

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب : محبت کیا ہے؟

مصنف : بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرتب : محمد ارمغان بدایونی ندوی

صفحات : ۹۶

قیمت : Rs. 80/-

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ اسلام، گوائن روڈ، لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندویؔ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست

پیش لفظ ۷

محبت کیا ہے؟ ۹

محبت کی حقیقت

یورپ کا تمدن ۱۳

یورپین اثرات ۱۴

اقسامِ محبت ۱۵

محبت کے مستحق ۱۷

جمال رسول ﷺ ۱۸

محسن عالم ﷺ ۱۹

محبت کا فطری تقاضا ۲۱

مؤمنانہ صفات ۲۳

صحابہ کرام کی محبت کا راز ۲۴

تکمیل ایمان کی شرط ۲۵

قبولیت اعمال کی پہلی شرط ۲۷

دوسری شرط ۲۷

www.abulhasanalinadwi.org

تیسری شرط ۲۸
مطلوبہ چیز ۲۹
ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ ۳۰
قبولیت اعمال کا نسخہ ۳۱
محبت کا فائدہ ۳۳
استقامت کا راز ۳۴
محبت کی کسوٹی ۳۶
عقل اور دل لازم ملزوم ۳۷
محبت کا محل ۳۹
محبت کا محور ۴۱
اہل محبت ۴۲
روح کی غذا ۴۳
محبت سے بیزاری کا سبب ۴۴
اصحاب ایمان و عزیمت کی شان ۴۷
حقیقی محبت کا ثمرہ ۴۷
حلاوت ایمانی کی شرائط ۴۹
غلبہ محبت کا حال ۵۰
آداب محبت ۵۱
مغلوب الحال کا حال ۵۲
اعلان جنگ کے دو مقام ۵۴
اصحاب دعوت کے لیے لمحہ فکریہ ۵۵
لحاظ کی ضرورت ۵۶

www.abulhasanalinadwi.org

ادب کا تقاضا ۵۸
لوازماتِ محبت ۵۹
ایمان کا تقاضا ۶۱
حصول محبت کا نسخہ ۶۲
محبت کا صلہ ۶۴
اعرابیوں کے قصے ۶۵
شفقت نبوی ﷺ ۶۷
محبت کی خاصیت ۶۸
محبّ اور محبوب کا تعلق ۶۹
اقسامِ تعلق ۷۰
حقیقی محبت کی علامت ۷۱
صحابہ کرام کی محبت ۷۲
حضرات شیخین کا مقام ۷۳
فیضان محبت ۷۶
مسلم نوجوانوں کی محبت کا محور ۷۷
احتساب نفس کی ضرورت ۷۷
محبت کے مظاہر ۷۹
حقیقی محبت کا پیغام ۸۰
اولیاء اللہ سے دشمنی کا وبال ۸۲
خدا کا ولی کون؟ ۸۳
اعلان جنگ کی حقیقت ۸۴
تبصرہ بازی اور غیبت کا وبال ۸۶

www.abulhasanalinadwi.org

انسانی طبیعت ۸۶
عصر حاضر کا فیشن ۸۷
ولایت کا راز ۸۸
فرائض کی اہمیت ۸۹
واجبات کی اہمیت ۹۰
نوافل کی اہمیت ۹۱
محبت کی انتہائی مثال ۹۲
قبولیت دعا کا راز ۹۴
حدیث بالا کا پیغام ۹۵

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اس کتاب کا قصہ یہ ہے کہ راقم سطور نے جب حقوق رسول ﷺ کی ترتیب کا کام کیا تو ''محبت رسول'' پر کچھ حصہ اس میں درس حدیث کا شامل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جو "باب فی حب اللہ و رسولہ" کے ذیل میں دیا گیا تھا، عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ نے راقم کی خواہش پر اس باب کا پورا درس قلمبند کر دیا، راقم سطور نے اس کے صفحات ''حقوق رسول ﷺ'' کے لیے منتخب کر لیے، لیکن مکمل اوراق تصحیح کر کے عزیز موصوف کے حوالہ کر دیے، انہوں نے اس کو اور زیادہ بہتر طریقہ پر مرتب کر کے ذیلی عناوین کے ساتھ ایک تحفہ کے طور پر راقم کے حوالہ کیا، اس کو دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔

محبت وہ دولت ہے کہ اس پر ہفت اقلیم کی دولت قربان ہو، اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ طاقت رکھی ہے کہ پتھر کو موم کر دے، جس دل نے حقیقی محبت کا مزہ چکھ لیا اس کو سب کچھ مل گیا ؎

از محبت تلخہا شیریں شود
از محبت مسہا زریں شود
از محبت دردہا صافی شود
وز محبت دردہا شافی شود

www.abulhasanalinadwi.org

از محبت خارہا گل می شود
وز محبت سرکہا مل می شود

(محبت کی وجہ سے کڑوی چیزیں میٹھی ہوجاتی ہیں، محبت سے مختلف تانبے سونا بن جاتے ہیں، محبت سے رنجشیں ختم ہوجاتی ہیں، اور محبت سے درد شفا بخشنے والا بن جاتا ہے، محبت سے کانٹے پھول بن جاتے ہیں، اور محبت سے سِرکے شراب بن جاتے ہیں)

محبت پر والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت طاقتور مضمون ہے، جو ان کی مشہور کتاب "الاسلام الممتحن" میں شامل ہے، راقم نے عین سعادت سمجھ کر اس کا اردو ترجمہ کرکے بطور مقدمہ اس کتاب میں شامل کردیا کہ اس موضوع پر اس سے زیادہ بہتر مقدمہ بہت دشوار تھا۔

اس طرح یہ کتاب ناظرین کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اس کو دلوں کے گرم ہونے کا ذریعہ بنائے اور اس میں حصہ لینے والوں کو اجر عطا فرمائے۔ آمین.

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

www.abulhasanalinadwi.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محبت کیا ہے؟

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

محبت وہ اکسیر ہے جس سے ہر طرح کی کدورتیں اس طرح پگھل جاتی ہیں جیسے نمک پانی ہو جاتا ہے، یہ ایسی جادوئی چھڑی ہے جو سخت سے سخت دل کو موم کر دیتی ہے، سرکش طبیعتیں اس سے رام ہوتی دیکھی گئی ہیں۔

محبت ہی ہے جو دشمن کو دوست بنا دے، بغض ونفرت کو محبت واخوت سے بدل دے، دو دشمن دھڑوں کو جو دست بگریباں ہوں یک جان و یک قالب کر دے کہ جسم کے کسی حصہ کو تکلیف ہو پورا جسم بے خوابی اور بخار کا شکار ہو جائے؛

﴿فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ☆وَمَا یُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوا وَمَا یُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾

(فصلت: ۳۴-۳۵)

(تو دیکھو گے کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اب گویا وہ جگری دوست ہے، اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں اور اسی کو ملتی ہے جو بڑی قسمت والا ہو)

ہم جب پہلی صدی ہجری کے اسلامی معاشرہ کو دیکھتے ہیں تو وہ محبت واخوت کی تصویر نظر آتا ہے، اسلامی تاریخ ایسے تابندہ نقوش سے روشن ہے اور ایسی عجیب و غریب مثالیں پیش کرتی ہے کہ دنیا کی قومیں ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

لیکن جب ہم آج کے مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہیں، دینی حلقوں اور اسلامی

www.abulhasanalinadwi.org

تنظیموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو ہر جگہ ایسی مشکلات نظر آتی ہیں جس کا ہر مسلمان جماعت کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ محبت و اخوت سے دل خالی ہیں اور دین میں اس کی جو اہمیت ہے اس کا احساس دلوں میں نہیں، اور اسلامی سوسائٹی کو جو اس کی ضرورت ہے نہ ہمیں اس کا خیال ہے۔

ہمارے مسلمان نوجوانوں کو اپنے اس امتیاز کو سب سے پہلے اختیار کرنا ہے، اور محبت و اخلاص کو اپنا شعار بنانا ہے، ان کی یہی مہم ہونی چاہیے کہ وہ اس صفت کو لوگوں میں عام کریں تا کہ وہ تہ بتہہ تاریکیاں چھٹ جائیں جن میں آج مسلمان ہاتھ پیر مار رہے ہیں، محبت ہی ہے جو اسلام کی فلک بوس عمارت کی ایک اہم بنیاد ہے، قرآن مجید نے اس کا اعلان کیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی اہمیت ارشاد فرمائی ہے اور قرن اول کے مسلمانوں نے ہمیشہ اس کا اہتمام رکھا ہے۔

اس کی اہمیت بڑھتی ہی جارہی ہے، خاص طور پر اگر ہم دعوت کی حکمت و مصلحت دیکھیں تو یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

اگر آپ کے دل نے محبت کا مزہ نہیں چکھا تو آپ کے بس میں نہیں کہ آپ لوگوں تک دعوت کا پیغام پہنچائیں اور ان کو دین حق کی طرف بلائیں۔

منطقی اور قانونی بات دل تک نہیں پہنچ سکتی اور نہ احساس کو بیدار کرسکتی ہے، وہ کسی کو شکست تو دے سکتی ہے، لیکن کبھی کبھی اس فکر و دعوت کے تئیں بغض و حسد اور انتقام کی آگ بھی بھڑکا دیتی ہے۔

وہ چیز کہ مقناطیس کی طرح دل اس کی طرف کھنچیں، اور بڑے بڑے سرکش اس کے سامنے جھک جائیں وہ صرف محبت و اخلاص ہے، آپ کسی سے گفتگو کریں اور اس کے سامنے ہزار دلیلیں رکھیں اور معاملہ کو پوری طرح کھول دیں لیکن آپ کا دل چوب خشک ہو اور آپ کی زبان دھار دار تلوار ہو اور آپ کی باتیں زہر آلود تیر و نشتر کی طرح ہوں، تو آپ اپنے مخاطب کو مقصد سے دور کردیں گے اور اس کے دل میں نفرت پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

کر دیں گے، خواہ وہ آپ کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

اس کے بالکل برخلاف آپ کہیں جارہے ہوں، کوئی شخص راستہ میں ملے، آپ اس سے بغیر کسی دلیل اور حجت کے کوئی بھلی بات کہہ دیں، آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ہو، سینے میں محبت کے جذبات ہوں، دل ایمان ویقین سے لبریز ہو، آپ اس کا دل جیت لیں گے اور اس کو اصل مقصد کے قریب کر دیں گے، اس وقت خواہ وہ ظاہری طور پر بات نہ مانے، لیکن ایک نہ ایک دن وہ ضرور آپ کی بات قبول کرے گا، اس لیے کہ آپ نے اس کے دل میں ایسا بیج ڈال دیا ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن تناور درخت کی شکل میں آکر ضرور پھل دے گا۔

آج کا سماج مشرق ومغرب میں اس صاف ستھری محبت کو نہیں جانتا، اور اس کی قیمت سے ناواقف ہے، اور اس نے انتہائی قیمتی دولت کا حقیر چیز سے سودا کرلیا ہے، اس نے صاف ستھری اور بلند و پاکیزہ محبت کا تجربہ کیا ہی نہیں، اور نہ اس کے مقصد سے واقف ہے، وہ صرف مادی اور ظاہری محبت کو جانتا ہے۔

اگر ہم نے نئے سرے سے اس کا علم بلند کیا اور اس دعوت کو انسانیت کے سامنے پیش کیا تو یہ انسانیت کی بڑی خدمت ہوگی، ہم اس کو سخت حالات سے نکال سکیں گے، اور زوال سے بچا سکیں گے، یہ خالص مشینی زندگی جو ہر جگہ ایک چکی کی طرح چل رہی ہے، اور بیسوی صدی کا انسان جو اس پر راضی ہے کہ وہ گونگے بہرے ایک پرزہ کی طرح رات دن کام کرتا رہے، مال کماتا ہے تاکہ خرچ کرے اور خرچ کرتا ہے تاکہ اس سے زیادہ کمائے، یقیناً خانگی اور اجتماعی زندگی یورپ کے لیے آج جہنم بن گئی ہے، وہ محبت کے ایک ایک قطرہ کی پیاسی ہے جیسے بنجر زمین پانی کے ایک ایک قطرہ کی محتاج ہوتی ہے۔

اے محبت رکھنے والے مسلمانو! تم بنجر دلوں کے لیے ابر رحمت بن جاؤ، اللہ نے تمہیں محبت کی وہ سوغات عطا کی ہے جس سے سب کے دامن خالی ہیں۔

رحمت کا ابر بن کر جہاں بھر میں چھایئے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محبت کی حقیقت

محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے، یہ کبھی طبعی ہوتی ہے اور کبھی کسبی ہوتی ہے، کبھی محبت بعض فطری اسباب کی بنا پر ہوتی ہے، ان اسباب کی وجہ سے آدمی خود اپنے دل میں محبت محسوس کرتا ہے، اس کے لیے اس کو کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑتی، ایک باپ کو اپنی اولاد سے، اپنے بیٹے اور بیٹی سے محبت ہوتی ہے، ماں کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، یہ خونی رشتے ہیں، ان خونی رشتوں میں اللہ نے ایک فطری محبت رکھی ہے، اور یہ ایک فطری تقاضا بھی ہے اور ایک انسانی ضرورت بھی ہے، اگر یہ محبت نہ ہوتی تو دنیا کا سارا نظام جو ہمیں نظر آرہا ہے، یہ سارا نظام فیل ہو جاتا، ماں باپ کو اولاد سے جو محبت ہوتی ہے، اسی محبت کے نتیجہ میں وہ اولاد کی فکر کرتے ہیں اور تربیت کرتے ہیں، ان کی خاطر ساری مشقتیں اٹھاتے ہیں، اور ایسی ایسی دشواریاں برداشت کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی دوسرے کی اولاد ہوں تو شاید برداشت کرنا ممکن ہی نہ ہو، راتوں کو بچہ پریشان کرتا ہے، روتا ہے، پوری پوری رات ماں اس کو ٹہلاتی ہے، اور خود پریشان ہو جاتی ہے، باپ پریشان ہو جاتا ہے، ظاہر بات ہے یہ سب فطری محبت کا نتیجہ ہے، اگر فطری محبت نہ ہوتی تو شاید غصہ میں آکر ماں بچہ کو زمین پر پٹخ دیتی کہ اس نے ہمیں تباہ کر دیا، پریشان کر دیا، ہماری نیند اڑا دی، لیکن اللہ نے محبت کے اندر جو ایک خاص مادہ رکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ سب کچھ برداشت کرتی ہے، اور یہ خونی رشتے کا نتیجہ ہے، یہ جو فطری محبت ہے اس کا یہ ایک خاص سبب ہے، اللہ نے وہ چیز انسان کے

www.abulhasanalinadwi.org

اندر ودیعت کردی ہے، چاہے وہ کوئی ماں ہو، اس میں یہ مسئلہ ہے ہی نہیں کہ فلاں مذہب کی ماں ہے تو محبت ہے، فلاں خاندان کی ہے تو محبت ہے، بس اتنا ہے کہ اگر وہ ماں حقیقت میں انسان ہے، انسانیت اس کے اندر کسی بھی درجہ میں ہے تو اس کو بچہ سے محبت ہوتی ہے، لیکن آج ہمارے اس دور میں صورت حال اس قدر بگڑتی چلی جارہی ہے کہ اب آدمی انسانیت سے بھی نیچے کی سطح پر آ گیا ہے۔

یورپ کا تمدن

موجودہ دور میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے وہ ایک طبعی چیز ہے، لیکن وہ طبعی محبت بھی بعض مرتبہ دیکھنے میں نہیں آتی، اس لیے کہ ان کی فطرت مسخ ہوگئی ہے، جب اعمال بگڑتے ہیں تو بگڑتے بگڑتے صورت حال یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھی فطرت بھی مسخ ہوجاتی ہے، آدمی انسان نہیں جانور بن جاتا ہے، اسی لیے موجودہ دور میں بعض مرتبہ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ نظر آتا ہے، پہلے شاید اس کا تصور بھی ممکن نہیں تھا، ایک صاحب نے یورپ کا قصہ سنایا جہاں یہ چیزیں زیادہ ہیں اور ان کا کلچر ایسا ٹھنڈا ہے کہ ان کے دل و دماغ سب ٹھنڈے ہوگئے ہیں، ان کے اندر محبت کی حرارت ہی نہیں ہے، محبت کی جو حرارت ہوتی ہے، لگتا ہے وہ ان کے اندر منجمد ہوگئی ہے، ان کے دماغوں کی تمام جالیاں جم گئی ہیں، ان کو نہ کسی کے درد کا احساس ہوتا ہے، اور نہ کسی کی چوٹ کا، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل لے لیے گئے ہیں، صرف دماغ رہ گیا ہے، ان کے سارے کام دماغ سے چلتے ہیں، جیسے مشین ہوتی ہے، یورپ کی بالکل یہی صورت حال ہے کہ وہ مشین کی طرح ہے، وہاں کے لوگ مشینی کام کرتے ہیں، اور اندر کے جو جذبات ہوتے ہیں، لگتا ہے ان کے وہ جذبات سرد ہوگئے ہوں، وہیں کا قصہ کسی نے سنایا کہ ماں باپ اپنے چھوٹے بچہ کو لے کر کسی بڑے مال (Shoping Mall) میں گئے، اور گاڑی باہر کھڑی کی، اب مسئلہ یہ ہوا کہ بچہ کو ساتھ میں اندر مال (Mall)

www.abulhasanalinadwi.org

تک لاد کر کیسے جائیں، بہت پریشانی ہوگی، وہ بچہ روئے گا، اس کو کہاں تک سنبھالیں گے، چنانچہ انہوں نے نہایت سنگدلی کا مظاہرہ کیا، کوئی ماں باپ ایسا نہیں کرسکتا جو انہوں نے کیا کہ بچہ کو گاڑی پر کسی طرح تھپک کر سلادیا اور گاڑی لاک (Lock) کردی، اس کے بعد وہ مال چلے گئے، اور وہاں شاپنگ کرنے اور گھومنے میں انہوں نے کئی گھنٹے لگادیے، جب واپس آئے تو دیکھا کہ بچہ مر چکا ہے، اس دوران بچہ اٹھ گیا تھا، وہ گاڑی میں رویا چلایا، اتفاق ایسا ہوا کہ اس میں آکسیجن کی کمی ہوئی اور وہ دم گھٹ کر مر گیا، جب باہر آکر انہوں نے دیکھا تو بچہ مر چکا تھا، لیکن حیرت یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی ان کی پیشانی پر کوئی بل نہیں آیا، بلکہ اس قبیل کے بعض واقعات وہاں جو پیش آرہے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر چھوٹے بچے نہ ہوں تو ان کو زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اگر مر جائیں تب اور خوشی ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کا حال یہ ہے کہ ان کو صرف اپنی فکر ہے، انہیں کھانے کا مزہ حاصل ہوتا رہے، آزادی حاصل رہے، کوئی معمولی رکاوٹ بھی نہ ہو، اگر گھر میں بچہ ہوگا تو آزادانہ زندگی نہیں ہو پائے گی، لہٰذا وہ اس حد تک گر گئے ہیں، گویا ان کی فطرت ہی مسخ ہوتی چلی جارہی ہے۔

یورپین اثرات

افسوس کی بات ہے کہ وہاں کے کلچر (Culture) کے مسموم اثرات اب مشرقی ملکوں میں بھی آرہے ہیں، پہلے یہاں بطور مثال قصہ مشہور تھا کہ ایک بیٹے نے کسی وجہ سے اپنی ماں کو قتل کردیا، وہ قتل کرکے بھاگا جارہا تھا کہ اچانک ٹھوکر لگی اور گر گیا، اتنے میں ماں کے دل سے آواز آئی کہ میرے بیٹے تجھے چوٹ تو نہیں آئی، اس واقعہ سے محبت کے غیر معمولی جذبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ محض ایک لطیفہ ہے، لیکن اس واقعہ سے یہاں کے مزاج کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، مشرقی ملکوں کے مزاج میں محبت شامل تھی، لیکن اب یہاں کا حال بھی یہ ہوگیا کہ اخبارات میں بکثرت ایسی خبریں آتی ہیں کہ ماں نے بیٹے کو مار دیا، یا باپ نے بیٹے کو مار دیا، جب

www.abulhasanalinadwi.org

کہ پہلے اس کا تصور نہیں تھا، لیکن اب ایسی خبریں عام بات ہے، یہ انسانیت کے انحطاط وزوال کی آخری بات ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت نہ ہو، یہ بالکل غیر فطری چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے فطرت میں یہ چیز رکھی ہے کہ خونی رشتوں کی بنا پر جو رشتہ جتنا قریب کا ہوتا ہے اس کے اعتبار سے آدمی کے اندر محبت کا ایک جذبہ ہوتا ہے، اور وہ جذبہ فطری ہوتا ہے، اس کو اس میں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اس سلسلہ میں وہ مجبور ہوتا ہے، یعنی وہ ایسا جذبہ ہے جیسے بھوک ہوتی ہے، پیاس ہوتی ہے، جب بھوک لگتی ہے تو آدمی کھانا کھاتا ہے، جب پیاس لگتی ہے تو آدمی پانی پیتا ہے، اسی طرح اللہ نے ہر انسان کے اندر ایک خاص جذبہ رکھا ہے، ایک خاص قسم کا احساس رکھا ہے کہ آدمی اس کو محسوس کرتا ہے، جب بچہ روئے گا تو ماں مجبور ہو جائے گی، جیسے پیاس پر آدمی پانی پینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے، پانی اس کی ضرورت بن گئی ہے، تو یہ اللہ نے نظام رکھا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو مائیں اپنے بچوں کو کہیں ڈال آتیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے اور لوگ غلط سلط کام کر رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں یورپ کا جو کلچر آیا ہے، اس کے نتائج اس وقت ہمارے سامنے آرہے ہیں۔

اقسامِ محبت

اللہ تعالیٰ نے محبت ہر انسان کی فطرت میں رکھی ہے، یہاں تک کہ جانوروں میں بھی رکھی ہے، روایت میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبت کے سو حصے فرمائے، ننانوے حصے اللہ نے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ ساری دنیا میں تقسیم کر دیا(۱) اس کے نتیجہ میں ہر ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے، ہر باپ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے، ہر محبت کرنے والا دوسرے سے محبت کرتا ہے، یہاں تک کہ جانور کو بھی اپنی اولاد سے کچھ نہ کچھ محبت ہوتی ہے، یہ فطری محبت ہے، اور اس فطری محبت کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، دوسری محبت کسبی ہوتی ہے، کسبی محبت کے بعض دوسرے

(۱) صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله.....: ۷۱۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

اسباب ہیں، جن کا تعلق فطرت سے نہیں ہے، ان کی بنا پر وہ محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور ہوتا یہ ہے کہ کبھی تو وہ محبت خود پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی کوشش کر کے پیدا کر لی جاتی ہے، لیکن اس کے اسباب ہوتے ہیں، ان اسباب پر جب آدمی غور وفکر کرتا ہے تو ایسی صورت پیدا ہوتی ہے، اور وہ اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کبھی غور وفکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی نہیں پڑتی، جب وہ چیز اس کے دماغ پر طاری ہو جاتی ہے تو پھر اس کو کسب کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ چیز خود بخود اس کے اندر منتقل ہو جاتی ہے، البتہ کبھی کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس کو دماغ پر وہ چیز طاری کرنی پڑتی ہے اور طاری کرنے کے بعد وہ محبت منتقل ہوتی ہے۔

محبت کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں: (۱) طبعی محبت (۲) عقلی محبت، اور عام طور پر عقلی محبت۔ جس کو کسبی محبت بھی کہتے ہیں۔ کے تین بنیادی اسباب بیان کئے جاتے ہیں: (۱) احسان (۲) جمال (۳) کمال۔

بعض لوگوں نے عقلی یا کسبی محبت کو ایمانی محبت سے بھی تعبیر کیا ہے، لیکن ایمانی محبت جب ہی ہوتی ہے جب اس کی بنیاد ایمان پر ہو، اصلاً اگر غور کیا جائے تو کسی سے محبت یا تو حسن کی بنا پر ہوتی ہے، یا احسان کی بنیاد پر ہوتی ہے، کسی نے کسی پر احسان کیا ہے تو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، یا وہ محبت جو پیدا ہوتی ہے، وہ اس لیے کہ کسی کے اندر کسی خاص قسم کا کمال ہوتا ہے، کوئی بڑا صاحب فن ہوتا ہے، اور اس فن کی وجہ سے آدمی کے اندر ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے، آدمی اگر غور کرے تو یہ چیزیں سامنے آجائیں گی کہ بعض مرتبہ کوئی علمی اعتبار سے بڑا فائق ہوتا ہے، اور جو علمی اعتبار سے فائق ہوتا ہے اس سے لوگوں کو تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ بڑا صاحب فن آدمی ہے، آج کل تو لوگوں کا حال یہ ہو گیا کہ کوئی کھیل میں فائق ہے، کوئی اور الٹی سیدھی چیز میں فائق ہے، اس کو بھی لوگوں نے کمال و ہنر سمجھ لیا اور اس ہنر کی بنا پر لوگوں کے دلوں کے اندر محبت پیدا گئی، گویا یہ محبت جو پیدا ہوتی ہے اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، اس میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

کسب کو بھی دخل نہیں ہوتا، بلکہ دلچسپی کو زیادہ دخل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو الگ مزاج دیا ہے، کوئی مزاج ایسا ہوتا ہے کہ حسن سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، کوئی مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ کمال سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، کوئی مزاج ایسا ہوتا ہے کہ اس کے اندر احسان شناسی زیادہ ہوتی ہے، تو یہ مختلف مزاجوں کا جو فرق ہے اس کی بنا پر وہ محبت دل میں آتی ہے، بعض بڑے احسان ناشناس ہوتے ہیں، پوری دنیا نچھاور کیجئے، کوئی آدمی ان کے لیے دیوانہ ہوجائے، لیکن ان پر لگتا ہے کوئی اثر ہی نہیں پڑا، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ لگتا ہے ان کے سامنے سب برابر ہے، جیسے کوئی پتھر کی دیوار ہو، آپ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز دکھایئے ان پر اثر ہی نہیں پڑے گا، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دیکھتے ہی کھل جاتے ہیں، معلوم ہوا انسانوں کے مختلف مزاج ہوتے ہیں، اور آدمی اپنے مزاج سے مجبور ہوتا ہے، مزاج کی بنا پر کبھی کبھی یہ محبت جو پیدا ہوتی ہے، یہ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ خود ہی پیدا ہوجاتی ہے، لیکن عام طور پر چونکہ اس میں کسب کو دخل ہوتا ہے اس لیے اس محبت کو کسبی محبت کہتے ہیں، یہ محبت طبعی نہیں ہوتی، غیر طبعی ہوتی ہے، لیکن مذکورہ اسباب کی بنا پر پیدا ہوجاتی ہے۔

محبت کے مستحق

محبت کا حق سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے، اس حیثیت سے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، انسان کی ضروریات پیدا فرمائیں، اور انسان کو جن چیزوں کے تقاضے ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، پھر اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ اس کا عملی نمونہ عطا فرمایا، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق سب سے بڑھ کر ہے، دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے صدقہ میں ہے، آپ اگر غور کریں تو ہمارے جتنے رشتے ہیں، ان رشتوں کی بنیاد بھی اللہ کا فیصلہ ہے، ہماری ماں جو ماں بنی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے بنی، ہمارا باپ جو باپ بنا وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے بنا، غرض کہ جتنے بھی رشتے ہیں وہ اللہ کے

www.abulhasanalinadwi.org

حکم سے ہوئے اور اس کے علاوہ محبت کے جو غیر طبعی اسباب ہوتے ہیں، وہ سارے اسباب اگر دیکھے جائیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی وجہ سے وجود میں آئے، دنیا کے اندر جو بھی حسن و جمال ہے، آج جو کچھ بھی دنیا میں خوبصورتیاں نظر آرہی ہیں، خواہ وہ کسی بھی حیثیت کی ہوں اور کہیں پر بھی جو کمال نظر آرہا ہے، وہ سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، ہر طرح کے حسن و جمال کا پیدا کرنے والا وہی ہے، اور جو کچھ بھی ہمیں مل رہا ہے سب اسی کی وجہ سے مل رہا ہے، اور کمال جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے انسان کو عقل کا تحفہ عطا کرنے کے نتیجہ میں ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل نہ دی ہوتی تو آدمی کیا کرسکتا تھا اور کون سا کمال حاصل کرسکتا تھا، گویا جو اسباب محبت ہیں، اگر وہ دیکھے جائیں تو سب کے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔

جمال رسول (ﷺ)

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کی شخصیت پر اگر غور کیا جائے، آپ ﷺ کے بارے میں اگر سوچا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جو اسباب محبت ہیں وہ آپ ﷺ میں اعلیٰ سے اعلیٰ جو شکل ممکن ہے اس کے اعتبار سے پائے جارہے ہیں، آپ ﷺ کا جو حسن و جمال ہے وہ ایسا ہے کہ سارے دنیا کا حسن اگر سمیٹا جائے تب بھی اس حد تک نہ پہنچے جو حسن اللہ نے آپ ﷺ کو دیا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ رات میں آپ تشریف فرما ہوتے تھے اور چودہویں رات کا چاند نکلا ہوا ہوتا تھا تو ہم کبھی آپ ﷺ کو دیکھتے تھے، کبھی چاند کو دیکھتے تھے، خدا کی قسم! جو حسن اور جو چمک آپ ﷺ کے چہرے میں نظر آتی تھی وہ چاند میں نظر نہیں آتی تھی، چاند میں تو دھبے ہوتے تھے، لیکن آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر دیکھا جائے تو کوئی ادنی سا بھی بال نظر نہیں آتا تھا، اسی لیے آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے، "كأنه قطعة قمر" (۱) کہ گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے، پورے چاند میں دھبے ہوتے ہیں، لیکن چاند کا وہ ٹکڑا جس میں دھبے نہ

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي: ۳۵۵۶

www.abulhasanalinadwi.org

ہوں، بالکل چمکدار حصہ جو ہوتا ہے، آپ ﷺ کو اس سے تشبیہ دی گئی، اس سے بھی کیا وہ تو نمبر دو کی چیز ہوگئی، صحابہ تو یوں فرماتے ہیں کہ چاند سے زیادہ حسن آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر آتا تھا، معلوم ہوا آپ ﷺ کا حسن آخری درجہ کا تھا۔

محسن عالم ﷺ

اس کے علاوہ دیکھا جائے تو جو کمالات انسانیت کو اس وقت حاصل ہو رہے ہیں اور اس وقت جو ترقیات نظر آرہی ہیں، ظاہر ہے اس کی بنیاد علم پر ہے، اس وقت دنیا کو جو کچھ علم ملا ہے، اس کے نتیجہ میں دنیا کہیں سے کہیں پہنچ رہی ہے، اس علم کی بنیاد اگر دیکھا جائے تو آپ ﷺ نے رکھی، اگر آپ کی بعثت نہ ہوتی اور آپ ﷺ پر وحی نہ اترتی، جس میں ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کہا گیا ہے تو دنیا کو علم کی طرف توجہ ہی نہ ہوتی، اس لیے فی الوقت جو کچھ بھی علوم کے خزانے نظر آتے ہیں، اگر دیکھا جائے تو تمام علوم کی بنیاد آپ ﷺ کی شخصیت ہے کہ آپ نے تعلیم کا جو سلسلہ شروع فرمایا، اس کے نتیجہ میں ساری دنیا میں آج ہمیں علم نظر آرہا ہے تو جو کمالات ہیں ان کا منتہاء آپ ﷺ کی ذات ہے، آپ نے انسانوں کو انسان بنایا، ورنہ انسانوں کا حال اس وقت یہ تھا کہ وہ جانور بن گئے تھے، حقیقت میں وہ انسان نہیں رہ گئے تھے، تاریخ میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں، جن سے اس وقت کی صورت حال کا اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں ہے، اس وقت بڑی بڑی حکومتیں تھیں، اگر ان کا جائزہ لیں، ان کے کلچر کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت بالکل ختم ہوگئی تھی، بعض ایسے واقعات تاریخ میں موجود ہیں جن سے حیرت ہوتی ہے کہ انسان یہ کام بھی کرسکتا ہے، مشہور بات ہے کہ اس زمانہ میں جو بڑی بڑی دعوتیں ہوتی تھیں، ان میں یہ حال ہوتا تھا کہ رات کو دعوت ہوتی تھی اور روشنی کا انتظام اس طرح کیا جاتا تھا کہ کسی غلام کو ستون سے باندھ کر اس کے کپڑوں میں آگ لگائی جاتی اور اس کے بعد جو روشنی ہوتی اس میں مزے لے لے کر کھانا کھایا جاتا، جب وہ جل کر دم توڑنے لگتا تو کھانا چھوڑ چھوڑ کر لوگ اس کو دیکھنے کے لیے

www.abulhasanalinadwi.org

بھاگتے کہ کس طرح اس کی جان نکلتی ہے، یہ ان کا ایک محبوب مشغلہ تھا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول انسانیت ﷺ سے قبل انسان اس حد تک گر گیا تھا، انسان دیکھنے میں گرچہ آزاد تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنا ہی غلام تھا، اسی لیے حضرت ربعی بن عامر نے یہ بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دین دیا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہم اللہ کے حکم سے تمام انسانیت کو دنیا کی تنگی سے دنیا کی وسعت میں لائیں، لوگوں کی غلامی سے ایک اللہ کی غلامی میں لائیں، اب اگر کوئی انسان اس بات پر غور کرے تو اس کو حیرت ہوگی کہ دنیا کی تنگی سے دنیا کی وسعت میں لانے کا کیا مفہوم ہے؟ کیونکہ اس وقت بڑی بڑی حکومتیں تھیں، دنیا کی جو وسعتیں ان کو حاصل تھیں وہ دوسروں کو کیا حاصل ہوں گی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آدمی اس طرح اپنے نفس کا غلام بن گیا تھا کہ وہ دنیا کی تنگیوں ہی میں تھا، تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب یزدگرد اپنی سلطنت چھوڑ کر بھاگا اور کہیں راستہ میں اس کو پیاس لگی، راستہ میں ایک جھونپڑا تھا، جب اس جھونپڑے والے سے پانی کے لیے کہا گیا تو اس شخص نے مٹی کے کٹورے میں پانی پیش کیا، تو یزدگرد کہنے لگا کہ میں ہمیشہ سونے چاندی کے گلاسوں میں پانی پیتا تھا، لہٰذا میں اس مٹی کے کٹورے میں پانی نہیں پیوں گا، میں مرجاؤں گا، لیکن اس مٹی کے پیالہ میں پانی نہیں پی سکتا، اس سے بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ بلاشبہ یہ غلامی کی انتہا ہے، آدمی اپنی عادت و نفس کا ایسا غلام ہوجائے کہ جان جائے تو چلی جائے لیکن مٹی کے پیالے میں پانی نہیں پی سکے، غرض کہ اس وقت یہ صورت حال تھی۔

ان حالات میں آپ ﷺ نے لوگوں کو انسانیت کا درس دیا، اور یہ بتایا کہ ایک انسان کو کیسا ہونا چاہیے، اور آپ ﷺ نے بذات خود ایک انسان کامل کا نمونہ پیش کیا، اس لیے جو بھی کمالات کی انتہا ہے وہ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر ہی ختم ہوتی ہے، اس کے آگے شاید کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، اسی طرح جو اسباب محبت ہیں وہ بھی آپ ﷺ پر ہی منتہی ہوتے ہیں، اور احسانات کا جہاں تک معاملہ ہے تو احسانات کی

www.abulhasanalinadwi.org

کوئی حد ہی نہیں ہے، آپ ﷺ نے انسانیت کو کیا کچھ عطا نہیں فرمایا، اگر آپ ﷺ کے ذریعہ سے ہمیں دین نہ ملتا تو ظاہر ہے ہم ادھر ادھر بھٹکتے رہتے، ہماری منزل نامعلوم ہوتی، ہم خدا جانے کہاں جا کر تباہ و برباد ہوتے، اور اگر دیکھا جائے تو رشتوں میں ایک دوسرے کو جو حقوق بتائے گئے ہیں، یہ بھی آپ ﷺ کی دین ہے، اگر آپ حقوق نہ بتاتے تو ماں کو ماں کا حق نہ ملتا، باپ کو باپ کا حق نہ ملتا، بھائی کو بھائی کا حق نہ ملتا، پڑوسی کو پڑوسی کا حق نہ ملتا، یعنی اگر آپ ﷺ حقوق نہ بتاتے تو کسی کو کوئی حق نہ ملتا، معلوم ہوا اس وقت جو کچھ بھی خیر نظر آرہا ہے، جو کچھ بھی انسانیت نظر آرہی ہے، محبت کے مظاہر نظر آرہے ہیں، وہ سب آپ ﷺ کا صدقہ ہے، اگر آدمی غور کرے تو پھر دل کے اندر جذبات پیدا ہوں، بلکہ ایک ابال پیدا ہو کہ اگر واقعۃً کوئی ذات حقیقت میں محبت کے لائق ہے تو اللہ کے رسول ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

محبت کا فطری تقاضا

اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کی محبت ہر انسان کا ایک فطری تقاضا ہے، مسئلہ صرف اکتساب کا نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو ایک فطری تقاضا بھی ہے، لیکن یہ کچھ عرصہ کے بعد ہی فطرت میں تبدیل ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ اکتساب کے مرحلہ سے گذرنے کے بعد، آدمی جب اس کے لیے عقل کا استعمال کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں یہ محبت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے بعض حضرات نے محبت کی یہ تقسیم کی ہے؛ محبت طبعی اور محبت عقلی، یا محبت طبعی اور محبت ایمانی، یہ جو ایمانی محبت ہوتی ہے، یعنی جو محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہوتی ہے، اس کا آغاز عقل سے ہوتا ہے، لیکن یہ محبت پھر طبیعت کے اندر منتقل ہو جاتی ہے، دل کے اندر منتقل ہو جاتی ہے، اور انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، چونکہ اس میں دونوں حصے آجاتے ہیں، عقل کا بھی حصہ ہوتا ہے اور پھر دل کا بھی حصہ ہوتا ہے تو بعض مرتبہ یہ محبت عام طبعی محبت سے بہت آگے بڑھ جاتی ہے، جو محبت ایک باپ کو یا ماں کو اولاد سے ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

وہ صرف طبعی محبت ہے، وہ عقلی محبت نہیں ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو محبت ہوتی ہے، چونکہ اس کا آغاز عقل سے ہوتا ہے، اس کے بعد وہ چیز طبیعت میں داخل ہوتی ہے، اس لیے یہ محبت طبعی محبت سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے، طبعی محبت میں ہوسکتا ہے آدمی بعض مرتبہ عقل سے سوچے تو اس کے نتیجہ میں پیچھے ہٹ جائے، جیسا کہ سطور بالا میں یورپ کی صورت حال سے اندازہ ہوا ہوگا، وہاں آج کل یہی حال ہے کہ عقل ہے دل نہیں ہے، لوگ عقل سے سوچتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ماں باپ کو اولاد سے محبت نہیں ہوتی، طبعی محبت کے باوجود محبت نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ وہاں عقل کی بنیاد پر فیصلہ کررہے ہیں، وہ یہ حساب لگاتے ہیں کہ اگر ہم اپنی اولاد پر خرچ کریں گے، تعلیم پر خرچ کریں گے، فلاں فلاں تقاضوں پر خرچ کریں گے تو تقریباً پچاس لاکھ ڈالر خرچ ہوگا اور جب یہ بڑا ہوگا تو ہمیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا، ہمیں اس سے کچھ نہیں ملے گا، اس لیے اس کو پالنے اور اس سے محبت کرنے سے کیا فائدہ؟ اب یہاں عقل کام کررہی ہے، دل نہیں کررہا ہے، وہ یہ نہیں سوچ رہا ہے کہ ہماری اولاد ہے، ہمارے اوپر اس کی ذمہ داری ہے؟ بلکہ صرف عقل سے سوچ رہا ہے کہ جب ہمیں اس سے فائدہ نہیں ہونا ہے، تو ہم اس کی فکر کیوں کریں، یہ جانے اس کا کام جانے، یہ جائے کمائے کھائے جو چاہے کرے یہ آزاد ہے، یورپ کی کل آزادی یہی ہے کہ لڑکا بڑا ہوگیا اب وہ جانے اور جس طرح چاہے زندگی گذارے، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں بچوں میں یہ حال ہے کہ ماں باپ گویا غلامی کا شکا رہیں، اگر بچے کو مار دیا تو پولیس والے آکر پکڑ لے جائیں گے، غرض کہ وہاں عجیب و غریب ایک غیر فطری قانون ہے، جس کے نتیجہ میں بہت مسائل پیدا ہورہے ہیں۔

دوسری طرف ان کا حال یہ ہے کہ ان کی دنیا ہی بالکل الگ ہے، اگر اس دنیا میں ان کو دیکھیں گے تو لگتا ہے کہ آسمان کے تارے توڑ کر لارہے ہیں، لیکن اگر آپ دوسری طرف نگاہ کریں تو لگتا ہے کہ یہ انسانیت بیزار ہیں، یوں کہا جاسکتا ہے کہ ظاہری عقل کے اعتبار سے دیکھئے تو لگتا ہے کہ بہت عقل مند ہیں، لیکن اگر جھانک کر دیکھئے تو لگتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ ان کی عقل جانوروں کی سی ہے، اس میں عجیب وغریب تضاد ہے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس وقت یورپ وامریکہ میں ایک عجیب تضاد ہے، وہ یہ کہ ایک طرف تو ان کی طاقت آسمان سے باتیں کررہی ہے اور دوسری طرف اخلاق کا حال یہ ہے کہ وہ بچوں کی طرح بھی نہیں ہیں، ایک بچہ بھی کچھ نہ کچھ سوچتا ہے، لیکن ان کے دماغ میں لگتا ہے سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی ہے، خلاصہ یہ کہ وہ لوگ تربیت اولاد کے سلسلہ میں محض عقل سے سوچتے ہیں کہ اولاد سے ہمیں آگے فائدہ ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر نہیں ہوگا تو ان کا قصہ یہیں ختم کرو، وہ جانیں ان کا کام جانیں، گویا جو طبعی محبت تھی، جب آدمی نے عقل سے سوچا تو وہ محبت بھی ختم ہوگئی، لیکن جو محبت عقل کے راستہ سے دل میں منتقل ہوتی ہے، پھر وہ ختم نہیں ہوتی، بلکہ بڑی مضبوط محبت ہوتی ہے، اس لیے کہ اس میں آدمی نے سوچ سمجھ کر محبت کرتا ہے۔

مؤمنانہ صفات

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ کسی چیز پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے، بلکہ سوچ سمجھ کر، علی وجہ البصیرہ بات مانتے ہیں کہ اس میں یہ خیر ہے، یہ بھلائی ہے، جب وہ سوچ سمجھ کر بات مانتے ہیں تو وہ چیز ان کے لیے باعث اطمینان ہوتی ہے، اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جمتے ہیں، اسی طرح جو عقلی محبت ہے، یہ عقلی محبت بھی چونکہ دماغ کے راستے سے دل تک جاتی ہے، اور اس میں آدمی باقاعدہ غور کرتا ہے، اس لیے سوچ سمجھ کر محبت پیدا ہوتی ہے، آپ ﷺ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں آدمی غور کرتا ہے، صفات کے بارے میں غور کرتا ہے، جو اسباب محبت ہیں ان اسباب محبت کے بارے میں سمجھتا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ جو اس کی شکل ہوسکتی ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ میں پائی جاتی ہے، جب آدمی عقل کا استعمال کرتا ہے، آپ کے احسانات دیکھتا ہے، آپ کے جمال کو دیکھتا ہے، جو اسباب محبت ہیں ان پر غور کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں وہ محبت دماغ میں

www.abulhasanalinadwi.org

پیدا ہوجاتی ہے، پیوست ہوجاتی ہے اور پھر وہ بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، وہ چیز اس کے دل کے اندر اتر جاتی ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی، یہ محبت قلبی اور طبعی دونوں تھی، اور اللہ کا عجیب نظام ہے صحابہ کا حال تو یہ تھا کہ پہلے مرحلہ پر جو عقلی محبت آئی فوراً ہی وہ دل کے نہاں خانوں میں اتر گئی، مسئلہ صرف دماغ تک نہیں رہ گیا، دماغ کے راستہ سے وہ محبت سیدھی دل کے اندر اتر گئی۔

صحابہ کرام کی محبت کا راز

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین کو آپ ﷺ سے محبت کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل وہ لوگ قبائل میں بٹے ہوئے تھے اور اکثر قبائل ایک دوسرے کے دشمن تھے، قریش ایک قبیلہ تھا، بنو ہاشم اس کی ایک شاخ تھی، قریش کی دسیوں شاخیں تھیں، ان میں آپس میں بھی بعض مرتبہ جھگڑے ہوتے تھے، اور ایک دوسرے کی برتری گوارہ نہیں تھی، یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ بنو ہاشم سے تھے، جب آپ کی بعثت ہوئی تو کیا عرب قبائل آسانی سے آپ کو قبول کر سکتے تھے؟ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو جو قبول کیا وہ یہ سمجھ کر کیا کہ اب ہماری کامیابی اسی میں منحصر ہے کہ ہم آپ ﷺ کو تسلیم کرلیں، آپ کی اتباع ہی میں کامیابی ہے، یہ بات ان کی عقل کے اندر اتر گئی اور جب یہ بات عقل کے اندر اتری تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں عقلی محبت بھی ان کے اندر پیدا ہوگئی، اور جب عقلی محبت ان کے اندر پیدا ہوئی تو بس فوراً ہی دوسرے مرحلہ میں وہ محبت ان کے دل کے نہاں خانوں میں اتر گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں میں بڑی خصوصیات رکھی تھیں، گرچہ ان میں بعض بہت بڑی خرابیاں بھی تھیں، لیکن بعض ایسی خصوصیات تھیں جو کہیں اور نہیں تھیں، ان میں ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کے اندر نفاق نہیں تھا، اور وہ جھوٹ کے عادی نہیں تھے، بات سچ کہتے تھے، لگی لپٹی رکھنا ان کا مزاج نہیں تھا

www.abulhasanalinadwi.org

کہ اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ، اس لحاظ سے ان کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں، اسی لیے جب دماغ میں محبت اتری تو فوراً وہ دلوں کے اندر اتر گئی، اور پھر محبت کا ایسا کامل نمونہ انہوں نے پیش کیا کہ شاید تاریخ پیش نہیں کرسکتی، جو انہوں نے آنحضور ﷺ سے محبت و فدائیت اور نثار ہوجانے کے آخری درجہ کے نمونے پیش کیے، سیرت رسول اکرم ﷺ کا مطالعہ کریں تو تنہا غزوۂ بدر ہی میں جانثاری کے جو واقعات پیش آئے ہیں، اگر کوئی آدمی صرف انہیں پر غور کرے تو سمجھ میں آئے گا کہ ان کے اندر کس طرح کی فدائیت تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ محبت جو انہوں نے سوچ سمجھ کر اختیار کی، وہ محبت ان کے دلوں کے اندر اتر گئی، اور جو محبت دماغ کے ساتھ دل میں بھی ہوتی ہے وہ محبت بڑی پائیدار ہوتی ہے، وہ ختم نہیں ہوتی ہے، البتہ جو محبت صرف دماغ میں ہوتی ہے، وہ خطرہ میں رہتی ہے اور جو محبت صرف دل میں ہوتی ہے وہ بھی خطرہ میں رہتی ہے، لیکن جب دل و دماغ دونوں کا ملاپ ہوجاتا ہے تو ایک بڑی زبردست قسم کی طاقت وجود میں آتی ہے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ ایک بات بار بار کہتے تھے کہ صرف دماغ کا مسلمان ہونا کافی نہیں اور نہ صرف دل کا مسلمان ہونا کافی ہے، بلکہ دل کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے اور دماغ کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے، تب ایمان کی صحیح طاقت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح محبت کا معاملہ بھی ہے کہ محبت دل میں بھی ہونا ضروری ہے اور محبت دماغ میں بھی ہونا ضروری ہے۔

تکمیل ایمان کی شرط

واقعہ یہ ہے کہ جب تک محبت کا عنصر دل و دماغ میں نہیں ہوتا اس وقت تک صاحب ایمان کا ایمان پورا نہیں ہوتا، یہ ایمان اس محبت سے مکمل ہوتا ہے جو محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے دونوں حیثیتوں (دل و دماغ) سے ہوتی ہے، اگر کسی صاحب ایمان کی محبت دل و دماغ کے ساتھ ہے تو پھر اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے، اس کا ایمان دل میں بھی ہوتا ہے، اس کا ایمان دماغ میں بھی ہوتا ہے، اور اگر وہ ایمان ایک

www.abulhasanalinadwi.org

جگہ ہوتو پھر وہ خطرہ میں ہے، اس کی مثالیں موجود ہیں، بعض علاقوں میں واقعۃً لگتا تھا کہ کچھ نہ کچھ صاحب دل لوگ ہیں، ان کے اندر اعمال کے تقاضے بھی ہیں اور دل کے اندر محبت بھی ہے، لیکن چونکہ ان کے اندر فکری پختگی اور فکری شعور نہیں تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زور کی آندھی آئی تو معلوم ہوا کہ خیمے کے خیمے اکھڑ گئے، ابھی تک وہ لوگ جس ایمان کے ساتھ نظر آرہے تھے، جن ڈاڑھیوں کے ساتھ نظر آرہے تھے، بالکل ایسا لگا کہ ان کے اندر ایمان باقی ہی نہیں رہا، انہوں نے ایسے کام کیے کہ حیرت ہوتی ہے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ تقسیم پاکستان کی مثال دیتے تھے، جب تقسیم کا واقعہ پیش آیا اور بنگلا دیش میں زبان کا تعصب پیدا ہوا کہ ہم اردو نہیں بولیں گے بنگالی بولیں گے، دوسری طرف پاکستانی کہتے تھے کہ ہم اردو بولیں گے بنگالی نہیں بولیں گے، یہاں جو تعصب پیدا ہوا تو اس تعصب کے نتیجہ میں اچھے اچھے دین داروں کا حال یہ ہوا کہ بھائی نے بھائی کا گلا کاٹا، ایک مسلمان نے مسلمان کا گلا کاٹا اور لوگوں نے خون کی ندیاں بہادیں، محض اس بنیاد پر کہ یہ اردو کیوں بولتے ہیں؟ اب غور کیا جائے کہ جو ایمان ان کے اندر موجود تھا، آخر اس ایمان کا جو تقاضا تھا وہ تقاضا کہاں گیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کبھی اپنے دماغ سے نہیں سوچا تھا، جس طرح دل کا ایمان والا ہونا ضروری ہے، اسی طرح دماغ کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے، فکری پختگی کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اس کو کوئی ہلا نہ سکے، ورنہ کوئی زور کا نعرہ لگادے، کوئی زور سے بول دے تو لوگ فوراً اس کے پیچھے ہوجائیں گے، کیونکہ عوام کچھ نہیں جانتے، نہ ہی حقیقت سے واقف ہیں، اس لیے دونوں باتوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہ محبت بھی اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب یہ دل میں بھی ہو اور دماغ میں بھی ہو، آدمی جب سوچ سمجھ کر محبت کرتا ہے تو پھر اس کے بارے میں ایک پختہ رائے قائم کرلیتا ہے، اس کے دل میں بھی وہ چیز اتر جاتی ہے اور دماغ میں بھی موجود ہوتی ہے، اس طرح ایک مضبوط محبت ہوتی ہے، پھر آدمی اسی کی بنیادوں پر فیصلے کرتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

قبولیت اعمال کی پہلی شرط

یہ ایک اصولی بات ہے کہ آدمی جو بھی عمل کرتا ہے وہ عمل اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں چند شرائط کے ساتھ قبول ہوتا ہے، جن میں سب سے پہلی شرط ایمان ہے، جس کی بنیاد توحید ہے، عقیدۂ توحید پر دوسرے تمام عقائد کا انحصار ہے، توحید کا عقیدہ مضبوط ہے، اللہ کی ذات پر پختہ یقین ہے اور آدمی پوری طرح اس بات کو مانتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہوتا ہے اور دنیا میں کسی کو کسی ادنی سے ادنی تصرف کا بھی حق نہیں ہے، جب یہ یقین بڑھتا ہے تو توحید مضبوط ہوتی ہے، لیکن جب آدمی دوسروں کو متصرف سمجھنے لگتا ہے تو توحید کا عقیدہ ڈگمگانے لگتا ہے، اس لیے قبولیت کی پہلی شرط یہ ہے کہ توحید کا عقیدہ مضبوط ہو اور آدمی ہر طرح کے شرک سے پاک ہو، اگر ادنی شرک بھی پایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ عمل ہرگز قبول نہیں ہوگا، یہ شرک کی وہ قسم ہے جس کو شرک جلی کہتے ہیں اور اس شرک کے نتیجہ میں مسئلہ صرف کسی ایک عمل کا نہیں رہتا، بلکہ مسئلہ اس کی پوری زندگی کا ہوتا ہے، اگر اس کے اندر یہ شرک پیدا ہو گیا تو اس کا کوئی عمل بھی اللہ تبارک وتعالیٰ قبول نہیں فرمائیں گے، خواہ وہ کتنے ہی اچھے اعمال کرے، کتنے ہی بڑے بڑے کام کرے، لوگوں کا کتنا ہی خیر خواہ ہو جائے، ان کی بہبود سے متعلق وہ گویا اپنی زندگی لگا دے، لیکن اگر وہ مشرک ہے، اللہ کا باغی ہے تو اس کا کوئی عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوگا، یہ پہلی بنیاد ہے، اس کو شرک جلی یعنی کھلا شرک کہتے ہیں، اس کے بعد اللہ کے یہاں کوئی عمل قبول نہیں۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ جو عمل کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے، اس کو اخلاص کہتے ہیں، یہ اخلاص ہر عمل کی قبولیت کے لیے ضروری ہے، توحید اور اخلاص میں فرق یہ ہے کہ اگر عقیدہ ٹھیک نہیں ہے، توحید کا عقیدہ راسخ نہیں ہے اور شرک پایا جا رہا ہے، اس کے نتیجہ میں کوئی بھی عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتا، اگر

www.abulhasanalinadwi.org

اخلاص نہیں ہے تو یہ ایسی چیز ہے کہ یہ خاص اس عمل سے متعلق ہے جس عمل میں اخلاص نہ ہوگا وہ عمل قبول نہیں ہوگا، باقی سارے اعمال قبول ہوں گے، جو شرک جلی ہے اس کے نتیجہ میں کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوگا، اور جو چھوٹا شرک ہے، اس کے نتیجہ میں جس عمل کے اندر یہ شرک پیدا ہوجائے گا، ریاکاری کی شکل میں یا اور دوسری غلط نیتوں کی شکل میں تو یہ عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوگا اور باقی اعمال قبول ہوں گے، گویا عمل کے قبول ہونے کی یہ دوسری شرط ہے۔

تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ انسان جو عمل کرے وہ عمل صحیح ہونا چاہیے، (۱) عقیدہ صحیح ہونا چاہیے، (۲) نیت صحیح ہونی چاہیے اور تیسری شرط یہ ہے کہ عمل بھی صحیح ہونا چاہیے، کوئی بھی عمل آدمی محض اپنی رائے سے نہ کرے، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو طریقہ بتایا ہے، اگر اس طریقہ کے مطابق عمل ہوگا، تو وہ عمل اللہ کے یہاں قبول کیا جائے گا، اور اگر آدمی اپنی رائے سے عمل کرے گا، جس سے اس کو لطف آرہا ہے، یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے اللہ کا قرب زیادہ حاصل ہوجائے گا تو یہ اس کے دماغ کی بات ہے، اللہ کا قرب جو باتیں اس کے دماغ میں آئیں گی ان سے حاصل نہیں ہوگا، اس کا راستہ تو اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے، دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، آپ کہیں کوئی عرضی دیتے ہیں، کوئی درخواست دیتے ہیں، اور آپ وہ کام کرانا چاہتے ہیں تو آپ کو طریقہ بھی معلوم کرنا پڑتا ہے کہ درخواست کس طرح دی جائے گی، اس کا پروسیجر کیا ہے، آپ کس سے ملیں گے، کس کو درخواست دیں گے، پھر وہ کہاں جائے گی، اس کا پورا ایک نظام ہے، اس پر آپ چلیں گے تو کام آسان ہوجائے گا اور اگر آپ اپنی عقل لڑائیں گے کہ ہم خود سب جانتے ہیں، ہمیں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، تو شاید آپ سالوں سال ٹھوکریں کھاتے رہیں گے لیکن آپ کا کام نہیں ہوگا، جب دنیا کا حال یہ ہے، تو ظاہر ہے اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی عمل اسی وقت قبول ہوتا ہے جب وہ عمل اسی طریقہ کے مطابق کیا جائے جو طریقہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

مطلوبہ چیز

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری شکلوں کو نہیں دیکھتا ہے، اس کو یہ مطلوب نہیں کہ ہم گورے ہیں، کالے ہیں یا ٹیڑھے ہیں یا سیدھے ہیں، ہم جیسے بھی ہیں اسی کے بنائے ہوئے ہیں، بلکہ وہ ہماری دو چیزوں کو بطور خاص دیکھتا ہے؛ ایک یہ کہ بندہ کے دل کا حال کیا ہے، دل میں اللہ کی ذات کا یقین ہے یا نہیں؟ کام اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے یا نہیں، دوسرے یہ کہ اس کا کام کیسا ہے، کاموں کی شکلیں کیا ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے جو شکل بتائی، یہ کام اس شکل کے مطابق ہے یا نہیں، مثلاً: کوئی آدمی فجر کی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کو بڑا لطف آرہا ہے، نماز پڑھانے والا اچھی تلاوت کررہا ہے اور مقتدیوں پر ایک کیفیت طاری ہے، اب یہ جی چاہ رہا ہے کہ اگر دو کے بجائے چار رکعت ہوجائے تو مزا آجائے، لہٰذا آدمی یہ سوچے کہ ایک خاص کیفیت بھی حاصل ہورہی ہے اور نماز تو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، اس لیے آج چار رکعت پڑھ لی جائے، تو اگر اس نے چار رکعت پڑھ لی تو گرچہ اس کو حلاوت مل رہی ہے، اور اس پر ایک کیفیت طاری ہے، رونا بھی آرہا ہے، لیکن اللہ کہے گا ہم نے تم کو جو بتایا تھا تم نے وہ نہیں کیا، بلکہ اپنی رائے کو داخل کردیا، جب تم نے اپنی رائے کو داخل کردیا تو اب تمہارا عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں، اس سے معلوم ہوا عمل کا طریقہ بھی صحیح ہونا نہایت ضروری ہے، لیکن اس سلسلہ میں بسا اوقات بہت سے لوگ غلط فہمی میں پڑجاتے ہیں، اور کہتے ہیں اصل چیز دل ہے، جب ہمارے اوپر کیفیت طاری ہورہی ہے، اور ایک عجیب حلاوت حاصل ہورہی ہے، تو مزید عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ عمل تو ایک ذریعہ ہے، عمل جیسا بھی ہو ٹھیک ہے، مقصد حاصل ہونا چاہیے، لیکن یہاں مسئلہ تنہا مقصد کا نہیں ہے، بلکہ اصل یہ ہے کہ مقصد بھی صحیح ہونا چاہیے اور اس کا

www.abulhasanalinadwi.org

وسیلہ بھی صحیح ہونا چاہیے، اگر صرف مقصد صحیح ہے اور وسیلہ صحیح نہیں ہے تو اللہ کے یہاں پکڑ ہو جائے گی، مقصد کے ساتھ وسیلہ کا صحیح ہونا بھی ضروری ہے، نماز کے متعلق ارشاد ہے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ یعنی نماز میرے دھیان کے لیے قائم کرو، لہٰذا کوئی آدمی یہ سوچے کہ جو دھیان ماشاء اللہ مراقبہ سے حاصل ہو رہا ہے وہ نماز سے نہیں ہوتا، لہٰذا آرام سے بیٹھ جاؤ اور اللہ کی ذات کی طرف دھیان دو، اور دھیان حاصل کرو، جتنا دھیان ہوگا، اللہ کا قرب ہوگا، اتنا ہی اچھا ذکر ہوگا، نماز بھی ذکر ہی کے لیے ہے، پھر نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، ظاہر ہے ایسی صورت میں آدمی بہک جائے گا، اس لیے طریقہ بھی وہی ہونا ضروری ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے، گویا مقصد بھی صحیح ہو اور وسیلہ بھی صحیح ہو۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

آج اس سلسلہ میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں، جو لوگ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں، دوسروں کو صحیح راستہ بتانے کے لیے مشغول ہوتے ہیں، ان کے ذہنوں میں کبھی یہ بات آجاتی ہے کہ جب ہم صحیح بات کی طرف بلا رہے ہیں، صحیح چیز کی دعوت دے رہے ہیں، کلمہ طیبہ کی دعوت دے رہیں، توحید و اسلام کی دعوت دے رہے ہیں، اور اگر ہم نے کچھ غلط طریقہ اختیار کر لیا ہے تو کیا حرج ہے؟ ہمارا مقصد تو اعلیٰ قسم کا ہے، جب کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ مقصد بھی صحیح ہونا ضروری ہے اور طریقہ بھی صحیح ہونا ضروری ہے، یہ تو ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ آج کل کے ڈاکو ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بہت مالدار ہو گئے ہیں اور غریب بھی بہت ہو گئے ہیں، اس لیے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم مالداروں کی دولت غریبوں میں تقسیم کریں، اسی مقصد سے ہم ڈاکے ڈالتے ہیں، اب اگر کوئی نادان ان ڈاکوؤں کے متعلق کہے کہ ان کا مقصد بڑا اعلیٰ ہے، ان کو غریبوں کی مدد کرنا ہے، اس لیے بہت اچھی بات ہے خوب ڈاکہ ڈالیں، خوب بینکیں لوٹیں اور ساہوکاروں کے گھروں میں جا کر تالے توڑیں، بہت مزا آئے گا، کروڑوں

www.abulhasanalinadwi.org

روپئے ملیں گے، غریبوں کی دشواریاں دور ہوجائیں گی، ظاہر ہے اس مقصد پر اگر سرسری غور کریں تو اس میں بھی وہی بات ہے، مقصد بہت اچھا ہے، لیکن جو طریقہ اختیار کیا جارہا ہے وہ نہایت غلط ہے، معلوم ہوا ہر چیز میں مقصد صحیح ہونا ضروری ہے اور طریقہ بھی صحیح ہونا ضروری ہے، دل کو بھی صحیح ہونا ضروری ہے، عمل کو بھی صحیح ہونا ضروری ہے، ظاہر کو بھی صحیح ہونا ضروری ہے، باطن کو بھی صحیح ہونا ضروری ہے، اس دین کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ظاہر و باطن کو جوڑا گیا ہے، ورنہ عیسائیوں کے گرجوں میں جایئے، اور اس کے علاوہ جو دوسرے معابد ہیں ان کا حال دیکھئے، خود ہمارا بعض جگہ جانا ہوا، وہاں دیکھا کہ ان کی عبادت صرف اتنی ہے کہ کچھ دیر سکون کے ساتھ بیٹھ جاؤ، بس کام ہوگیا، یہی ان کی عبادت ہے، یا پھر خوب شور مچاؤ، بیت اللہ میں بھی زمانہ جاہلیت میں جو حال تھا وہ یہی تھا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاء وَتَصْدِيَةً﴾

(کعبہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں)

مشرکین کعبہ کے پاس سیٹیاں بجاتے تھے، تالیاں پیٹتے تھے اور یہ ان کی عبادت کا طریقہ تھا، یا کچھ دیر دھیان جما کر بیٹھ جاتے تھے، یا اپنے خیال سے انہوں نے کچھ شکلیں اختیار کر رکھی تھیں، کسی نبی سے ان کو یہ طریقہ نہیں ملا تھا، بلکہ نبی والے اصل طریقہ کو وہ بھلا بیٹھے تھے۔

قبولیت اعمال کا نسخہ

خلاصہ یہ کہ ہمیں اس کا مکلّف کیا گیا ہے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ کام صحیح کریں، ہمارا عقیدۂ توحید مضبوط ہو، تمام عقائد شریعت کے مطابق ہوں، جب ہمارے عقائد صحیح ہوں گے تو عمل اللہ کے یہاں قبول ہوگا، اور اگر عقائد صحیح نہیں ہیں تو کوئی عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں، اسی طرح عمل کے اندر اخلاص بھی شرط ہے، عمل اللہ کو راضی

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے کے لیے کیا جائے، جب اخلاص ہوگا تو عمل قبول ہوگا، ورنہ اللہ کے یہاں وہ عمل قبول نہیں کیا جائے گا، اسی طرح ہمارا ہر عمل کتاب وسنت کے مطابق ہو، اگر ہم اپنی رائے سے وہ عمل کریں گے تو وہ عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوگا، اور اس سب کے ساتھ بھی ضروری ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت دل میں جاگزیں ہو، اس محبت کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کڑوی گولی پر شکر چڑھادی گئی، بسا اوقات آدمی کو کوئی عمل کرتے وقت دشواری محسوس ہوتی ہے، مشقت کا احساس ہوتا ہے، گرچہ عقیدہ بھی اچھا ہوگیا، اخلاص بھی پیدا ہوگیا، طریقہ بھی ٹھیک ہوگیا، لیکن عمل کرتے وقت اس کو دشواری محسوس ہورہی ہے، لہٰذا اس دشواری کا نسخہ یہ بتادیا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اگر پیدا کرلی جائے تو پھر عمل کرنا آسان ہوجائے گا، اس کے اوپر شکر کی گولی چڑھ جائے گی، کڑوی سے کڑوی گولی ہو، لیکن جب اس کے اوپر شکر کا پرت چڑھ جائے تو اس کا کھانا آسان ہوجاتا ہے، اسی طرح جب اللہ اور رسول ﷺ کی محبت دل کے اندر اترتی ہے تو عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے، سطور بالا میں اس کی متعدد مثالیں گذر چکی ہیں۔

دین اسلام کا پیغام اور خلاصہ یہی کہ ہر صاحب ایمان کو اپنا عقیدہ درست رکھنا ہے، اپنی نیتوں کو درست رکھنا ہے، اپنے اعمال کو بھی درست رکھنا ہے، اللہ اور رسول ﷺ سے محبت پیدا کرنے کی کوشش کرنی ہے، تاکہ اعمال کا کرنا آسان ہوجائے، اور پھر معمولی معمولی باتوں کی بھی نگہداشت رکھنی ہے، اگر ہم مسجد کے ماحول میں ہیں جہاں دینی باتیں سنی جارہی ہیں اور مذاکرے ہورہے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ تلاوت کا بھی اہتمام ہے، نمازوں کا بھی اہتمام ہے، تو مسجد کے ماحول سے جب ہم نکل کر اپنے گھر جائیں گے، تو اب ہماری ایک بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے مسجد سے لیا اور جو کچھ ہمارا مسجد میں دینی مزاج بنا، ہم اس کو قائم رکھنے کی فکر کریں، اور یہ صرف چند لمحوں کے لیے نہ ہو، بلکہ پوری زندگی اسی مزاج پر ڈھالنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ان باتوں کا اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

گھروں میں مذاکرہ کریں، اپنے گھروں میں جا کر خواتین کو بتائیں کہ ہم مسجد سے توحید کی بات سیکھ کر آئے ہیں، اخلاص کی بات سیکھ کر آئے ہیں، کتاب وسنت کی بات سیکھ کر آئے ہیں، اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی بات سیکھ کر آئے ہیں، کیونکہ جب گھر میں اس کا مذاکرہ ہوگا تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ بات گہری ہوگی، بار بار تذکرہ اور یاددہانی سے چیز دلوں میں اترتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

یعنی یاددہانی کا عمل جاری رکھئے، یہ ایمان ویقین والوں کو فائدہ پہنچانے والی چیز ہے۔

لہٰذا ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے گھروں میں ایمان والی خواتین اور ایمان والے مردوں کے سامنے یہ باتیں رکھیں، ان کا مذاکرہ کریں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ بات ہمارے دل میں بھی اترے گی اور ہمارے گھر والوں کے دلوں میں بھی اترے گی، اس سے انشاء اللہ پھر گھروں کا ماحول آہستہ آہستہ بدلے گا۔

محبت کا فائدہ

عبادت جب دل کے تقاضوں سے ہوتی ہے اور محبت کے ساتھ ہوتی ہے تو اس عبادت کے اندر ایک حلاوت پیدا ہوتی ہے، عبادت کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ آدمی ایک ذمہ داری سمجھ کر حکم الٰہی کو پورا کرتا ہے، وہ اس کا مکلّف ہے اس لیے اس کی تعمیل کرتا ہے، لیکن جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ چیز اس کے لیے بوجھ نہیں رہ جاتی بلکہ وہ اس کے دل کا تقاضا بن جاتی ہے، اندر سے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور عبادت میں اس کو لطف آتا ہے، اسی لیے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت دل کی گہرائیوں میں نہیں اترتی اس وقت تک عبادت کا مزا نہیں آتا، لیکن جب یہ محبت دل کی گہرائیوں میں اترتی ہے تو پھر عبادت کے اندر حلاوت پیدا ہوتی ہے، پھر آدمی نماز پڑھتا ہے اور اس کو لطف آتا ہے، وہ اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ اپنے محبوب کے سامنے کھڑا ہے، اور ظاہر

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ جو ایسا محسوس کرے گا اس کو جو کیفیت اور حلاوت حاصل ہوگی وہ بیان نہیں کی جاسکتی، صحابہ رضی اللہ عنہم کی نمازوں کا حال دیکھیں تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو نمازوں میں، تلاوت میں اور خیر کے کاموں میں جو لطف آتا تھا وہ لطف گویا ان کے اندر کا ایک تقاضا ہوتا تھا، مشہور قصہ ہے کہ ایک صحابی نماز میں کھڑے تلاوت فرما رہے تھے، اچانک ایک تیر لگا اور خون بہنے لگا، لیکن ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوئی، بعد میں لوگوں نے کہا تو فرمانے لگے کہ جو سورہ میں تلاوت کر رہا تھا، مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں اس کو بیچ سے چھوڑوں، میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں سورہ مکمل کرلوں، واقعہ یہ ہے کہ اس عشق و سرمستی کی اصل وجہ وہی حلاوت ایمانی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے، جتنی اللہ کی محبت بڑھتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اسی طرح دل کے اندر مٹھاس پیدا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کو خدا سے محبت ہو جائے اس کو ایمان کا مزا مل جاتا ہے۔

استقامت کا راز

جب اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت پیدا ہوتی ہے تو انسان کے باطن کی کیفیت ہی دوسری ہو جاتی ہے اور جب یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے تو پھر بندگی پر استقامت ملتی ہے، اس لیے کہ وہ چیز اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، جس طرح مچھلی کے لیے پانی ضروری ہے، اور انسان کے لیے ہوا ضروری ہے کہ بغیر آکسیجن کے زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرنے والوں کو اللہ کی بندگی وعبادت ضروری ہے کہ وہ ان کی ایک ضرورت بن جاتی ہے، اس کے بغیر وہ بے چین ہو جاتے ہیں، اگر ان کی نماز چھوٹ جائے تو ان کے اوپر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے، یہ محبت کا نتیجہ ہے، کیونکہ محبت کے نتیجہ میں جو حلاوت پیدا ہوتی ہے اس کے نتیجہ میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ کے بندوں کو دیکھیں ان کے حالات ایسے سامنے آتے ہیں کہ اگر کبھی کسی کی نماز چھوٹ گئی، نماز قضا ہوگئی یا جماعت چھوٹ گئی تو ایسی تڑپ پیدا ہوئی جیسے مچھلی خشکی پر تڑپ رہی ہو، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ علیہ نے ایک قصہ سنایا کہ ایک بزرگ کی فجر کی نماز یا جماعت چھوٹ گئی، ان پر اس کا اس قدر اثر پڑا، لگتا تھا کہ کسی کے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے، بلکہ یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے کہا؛ اگر بیٹے کا انتقال ہوتا تو لوگ تعزیت کرنے آتے لیکن نماز چھوٹی ہے تو کوئی پوچھتا بھی نہیں، اس پر تو ہم اور زیادہ تعزیت کے مستحق ہیں، وہ اس قدر روئے کہ دوسرے دن شیطان نے آکر ان کو اٹھا دیا، اس لیے کہ نماز چھوڑنے کے بعد جوان کا نقصان ہوتا اس نقصان کے بعد جتنا انہوں نے اپنے خزانہ میں اجر جمع کرلیا وہ اس نماز سے بھی کہیں زیادہ ہے، معلوم ہوا یہ جو کیفیت ان کے اندر پیدا ہوئی یہ محبت کا نتیجہ ہے، محبت جب پیدا ہوجاتی ہے تو پھر عبادت میں حلاوت پیدا ہوجاتی ہے، پھر عبادت کا کرنا آسان ہوجاتا ہے، پھر اس میں آدمی کو لطف حاصل ہوتا ہے، پھر عبادت ہی اس کے دل کی گویا غذا بن جاتی ہے، اس لیے پھر اس کے دل کی ایسی کیفیت بن جاتی ہے کہ وہ اس کو ترک نہیں کرسکتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

محبت کی کسوٹی

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ﴾ (التوبة: ٢٤)

(آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کما رکھا ہو اور وہ کاروبار جس کے ٹھپ ہوجانے کا تمہیں ڈر ہو اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہوں اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے)

مذکورہ آیت کے بغور مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ واقعۃً یہ ایک انسان کے لیے فیصلے کا وقت ہوتا ہے، اس کے سامنے ایک طرف دنیا ہے اور دنیا کی راحتیں اور سہولتیں ہیں، دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں، آپ کے ارشادات ہیں، اب یہ فیصلہ کا وقت ہے کہ تمہارا تعلق کس سے زیادہ ہے؟ ایک طرف کاروبار ہے، ایک طرف بھائی بند ہیں، بیوی اور خاندان ہے، اور وہ مال ہے جو بڑی محنت سے کمایا ہے، وہ تجارت ہے جس کے ماند پڑ جانے کا ڈر ہے، یہ لگ رہا ہے کہ اگر ذرا بھی اس میں کوتاہی ہوئی تو زبردست قسم کا نقصان ہوجائے گا، ایسے اعلیٰ قسم کے مکانات ہیں کہ جن کو دیکھ کر آدمی خوش ہوتا ہے جو اس کو بہت پسند ہیں، جو اس کو خوب بھاتے ہیں، یہ ساری چیزیں

www.abulhasanalinadwi.org

ایک طرف اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، مکان اس نے سود کے پیسوں سے بنایا ہے، یا اعلیٰ قسم کی اس نے گاڑیاں لی ہیں، وہ سودی قرض کے ذریعہ سے لی ہیں، اور غلط طریقے اس نے اختیار کئے ہیں، اب ایک طرف وہ ساری چیزیں موجود ہیں، ایک طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم موجود ہے، تو یہ موقع فیصلہ کا ہے کہ اس کو کس سے تعلق زیادہ ہے، اس کو دنیا کی ان چیزوں سے زیادہ تعلق ہے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ تعلق ہے، آدمی اس وقت اگر فیصلہ کر رہا ہے کہ اصل تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ فیصلہ کر کے دنیا کی ان چیزوں سے دست بردار ہو رہا ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں واقعۃً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔

مذکورہ صورت حال میں دو بنیادی باتیں ہیں: پہلی یہ کہ اگر ایسے شخص کو اللہ اور رسول ﷺ سے محبت عقلی طبعی دونوں ہے تو ان چیزوں کو لات مار دینا اس کے لیے آسان ہے، اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں، دوسری یہ کہ اگر صرف عقلی محبت ہے ابھی طبعی نہیں بنی تو پھر یہ کام بڑا مشکل ہے، مکان چھوڑ دینا کچھ آسان نہیں، گاڑی چھوڑ دینا کوئی آسان نہیں، بینک بیلنس سے دلچسپی ہٹانا کچھ آسان نہیں، گھر والوں کے مزاج کے بالکل خلاف کرنا کچھ آسان نہیں، یہ سب کام بہت مشکل ہیں، لیکن اگر انسان عقل سے سوچ کر طے کرے گا کہ ہماری کامیابی کا راستہ وہ ہے جو راستہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے، اس لیے ہمیں یہی فیصلہ کرنا ہے کہ جو آپ کا کہا ہوا ہے اسی پر عمل کیا جائے گا، تو اس کے لیے سب کچھ آسان ہو جائے گا، اور یہی محبت کا تقاضا ہے۔

عقل اور دل لازم ملزوم

معلوم ہوا عقل سے آدمی فیصلہ کر رہا ہے تو اس کو دشواری پیش آ رہی ہے، اور وہ خدا و رسول ﷺ کی محبت کے تقاضوں کے خلاف عمل کر رہا ہے، لیکن جب یہی محبت عقل سے متجاوز ہو کر دل تک پہنچتی ہے اور اندر اتر جاتی ہے، پھر اس کا حال یہ ہو جاتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ ان چیزوں کا لات مار دینا اس کے لیے بہت آسان ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اس کے نزدیک دنیا کی کوئی قیمت ہی نہیں ہوتی، اس کے نزدیک ساری قیمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہوتی ہے، وہ اپنے ادنی سے ادنی اور معمولی سے معمولی جذبہ کو قربان کرنا نہیں چاہتا، اس کو جو دینی جذبہ ملا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کا جو ایک حصہ اس کو ملا ہے، تو دنیا کی ساری دولت ایک طرف رکھ دی جائے، لیکن اگر واقعۃً اس کے اندر صحیح محبت ہے، وہ محبت دل میں بھی ہے اور دماغ میں بھی ہے تو اس کے لیے سب کچھ قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے، وہ چیز اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، وہ اس کے مزاج میں داخل ہو جاتی ہے، اور سب کچھ بہت آسان ہو جاتا ہے، پھر اس کی زندگی میں بڑے سے بڑے واقعات پیش آجائیں اس پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ یہ جانتا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے، لیکن یہ جبھی ممکن ہے جب محبت عقل میں موجود ہو اور دل میں بھی موجود ہو۔

مگر آج ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ (اللہ ہمیں معاف فرمائے) ہم محبت کا دعوی تو بے شک بہت کرتے ہیں لیکن جو ہماری عملی زندگی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک دعوی ہے، دعوی اس لیے ہے کہ محبت اگر کسی انسان کو حقیقت میں ہوتی ہے تو وہ محبت انسان سے کچھ کرواتی ہے، محبت ایسی چیز ہے کہ پھر آدمی مجبور ہو جاتا ہے اور مجبور ہو کر کرتا ہے، خاص طور پر اگر محبت طبعی بن جائے تو آدمی کی زندگی اس محبت کی روشنی میں گذرتی ہے، اگر واقعۃً اس کے دل میں محبت ہے تو آدمی کوئی بھی کام کرنے سے پہلے سوچتا ہے کہ ہمارے لیے یہ کام مناسب ہے یا نہیں؟ جس سے ہمیں محبت ہے یہ اس سے تعلق رکھنے والی چیز ہے یا ہٹی ہوئی چیز ہے؟ کیونکہ یہ ایک اصولی بات ہے محبت کرنے والا اپنے محبوب کی پیروی کرتا ہے، اس کو جس سے محبت ہوتی ہے، جس سے بھی اس کو تعلق ہوتا ہے، یہ ایک طبعی چیز ہے کہ آدمی کو اس کی ہر چیز اچھی لگتی ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کسی جگہ لکھا ہے کہ اگر کسی سے محبت ہو تو اس کے در کا گدھا اور کتا بھی اچھا لگتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ بالکل

www.abulhasanalinadwi.org

صحیح بات ہے، اگر ہم دنیا میں دیکھیں کہ جس سے واقعۃً کسی کو دلی تعلق ہوتا ہے اور اس سے محبت ہوتی ہے تو وہاں سے اگر کوئی آدمی بھی آتا ہے تو اچھا لگتا ہے، اگر آپ کہیں دور کے رہنے والے ہیں، اور دوسرے ملک میں آپ کا جانا ہو اور وہاں آپ کو اپنے علاقہ کا کوئی آدمی مل جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اس میں بڑی کشش ہے، اس سے مل کر بہت مزا آتا ہے، بالکل دل کھل جاتا ہے، حالانکہ اگر وہی شخص اپنے ملک میں ملتا تو اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن جب وہاں ملا تو دل کھل گیا، اور یہ اس لیے کھل گیا کہ اس سے ایک تعلق ہے، اور وہ تعلق اس لیے ہے کہ وہ شخص ہمارے وطن کا ہے، جب انسان کو کسی سے تعلق ہوتا ہے تو اس تعلق کی بنا پر وہ مجبور ہو جاتا ہے، اس سے ایک انس محسوس ہوتا ہے، ایک تعلق سا پیدا ہو جاتا ہے، اور جب یہی محبت زیادہ ہوتی ہے تو آدمی اسی کی چال چلتا ہے، اور وہ چیز اس کے لیے ایک عجیب راحت اور لذت کی چیز بن جاتی ہے، پھر اس میں اس کو مزا آتا ہے، یہاں تک ہوتا ہے کہ اگر اس محبوب کے اندر کوئی نقص ہے، وہ نقص بھی اس کے لیے ہزار خوبیوں سے بہتر ہوتا ہے، اس کی مثالیں موجود ہیں، بہت سارے لوگوں کو اللہ والوں سے محبت ہوتی ہے تو ان کے یہاں ایسی بات ہوتی رہتی ہے کہ اگر شیخ کے ہاتھ میں ذرا کجی ہے یا کہیں پر ایک خاص انداز کی چال ہے تو لوگوں کو وہ چیز اتنی اچھی لگتی ہے کہ وہ اس کی بھی نقل کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کو شیخ سے دلی محبت ہے۔

محبت کا محل

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک دل میں محبت کا مادہ رکھا ہے، لیکن یہ ہماری کوتاہی ہے کہ اس محبت کا صحیح استعمال ہم کو نہیں آتا، اگر یہ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہو جائے تو یہ محبت ہمیں ایک دوسری منزل پر پہنچا دے گی، اپنے مقصد سے قریب کر دے گی، کامیابی کے راستوں کو ہم سے قریب کر دے گی، لیکن بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ ہم دنیا میں اور جو دوسرے اسباب محبت ہیں ان میں گرفتار ہو کر رہ جاتے ہیں، آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کی محبت کا مرکز

www.abulhasanalinadwi.org

فلمی اداکار یا کھلاڑی ہیں، نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہے کہ اس کے دل میں ان لوگوں کی محبت پیدا ہوجاتی ہے، اور ایسی ہوتی ہے کہ وہ دیوانے ہوجاتے ہیں، اگر یہ دنیاوی لوگ پھٹی ہوئی شرٹ پہن لیں تو ان نوجوانوں کے لیے وہ چیز بھی فیشن بن جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کا عنصر ان کے اندر من جانب اللہ ودیعت کیا ہوا ہے، لیکن وہ محبت غیر محل میں چلی گئی، اس لیے ان کی ٹیڑھی بھی اچھی لگ رہی ہے، اور ان کا ہر الٹا سیدھا کام بھی اچھا لگ رہا ہے، اور ان کی تقلید میں پاگل دیوانے ہوئے جارہے ہیں، ظاہر ہے یہ سب محبت ہی کا کرشمہ ہے، چونکہ انہوں نے محبت کا صحیح استعمال نہیں سیکھا اس لیے غلط لوگوں سے محبت ہورہی ہے، اور غلط لوگوں سے محبت ہونے کے نتیجہ میں وہ غلط راستہ پر پڑ رہے ہیں، ان نوجوانوں سے لاکھ مرتبہ ان کا کوئی بڑا کہے کہ یہ سب حرکتیں نہ کرو، یہ نامناسب عمل ہے، مشکل ہی سے ان کی سمجھ میں بات آئے گی، لیکن یہ زیادہ مؤثر طریقہ ہے کہ ان کے دل کے رخ کو پھیر دیا جائے، جو محبت ان کو ان دنیاوی لوگوں سے ہے جو اداکار یا فن کار کہلاتے ہیں، ان سے ہٹا کر اس محبت کا رخ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیر دیا جائے تو فوراً ان کی دنیا بدل جائے گی، پھر ان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، کہ تم اپنا لباس ٹھیک کرلو، اپنا چہرہ مہرہ ٹھیک کرلو، بلکہ وہ خود کہیں گے کہ ہمیں تو اب یہی کرنا ہے، اس لیے کہ اسی میں ان کو دل کا سکون ملے گا۔

معلوم ہوا جو بات کہی گئی ہے ''دلے دارند و محبوبے ندارند'' یہ بالکل صحیح بات ہے کہ دل سب کے پاس ہے، محبت سب کے پاس ہے، لیکن اس محبت کا محور ٹھیک نہیں ہے، موجودہ دور میں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ ہم اپنے دل کی سوئی ٹھیک کرلیں، اپنے دل کی محبتوں کو ٹھیک کرلیں، ہمارے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اگر پوری طرح جاگزیں ہوجائے تو ساری پریشانیاں دور ہوجائیں، اور یہ اسی وقت ہوگی جب اس سلسلہ میں ہم غور کریں گے، آپ ﷺ کے احسانات کے بارے میں سوچیں گے، اسباب محبت جو اللہ نے بدرجہ اتم آپ ﷺ کے اندر رکھے ہیں، ان کے بارے میں ہم غور کریں گے، سیرت طیبہ کا بار بار مطالعہ کریں گے،

www.abulhasanalinadwi.org

آپ ﷺ کی قربانیوں کے بارے میں غور کریں گے، تو ہمیں یہ احساس ہوگا کہ واقعۃً ہمارے اوپر آپ ﷺ کے کس قدر احسانات ہیں اور ہمارے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوگی جس کے نتیجہ میں محبت پیدا ہوگی۔

محبت کا محور

آج اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ جو نوجوان غلط راستہ پر پڑ جاتے ہیں، غلط لوگوں سے محبتوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، ان کی محبت کا محور درست کیا جائے، ان کا علاج یہ نہیں ہے کہ آپ ان کو ان کے بارے میں نصیحت کرتے رہیں اور ان کو بار بار کہیں کہ یہ طریقہ اختیار نہ کرو، اس کا بنیادی علاج یہ ہے کہ ان کے محبت کے رخ کو ٹھیک کیا جائے، وہ محبت اللہ سے پیدا کر دی جائے، اور اللہ کے رسول ﷺ سے پیدا کر دی جائے، اور اللہ والوں سے ان کے دلوں کے اندر محبت پیدا کر دی جائے، یہ ایک سہل راستہ ہے، اس راستہ سے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک انشاء اللہ پہنچ جائیں گے، اس کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کو آمادہ کر کے اچھی مجلسوں میں لایا جائے، ایسے لوگوں کے پاس لایا جائے جو اہل درد و محبت ہیں، اللہ والوں کو دیکھئے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے بندوں سے کیسی محبت ہوتی ہے، ایک کڑھن ہوتی ہے، تڑپ ہوتی ہے، ظاہر ہے جب وہ تڑپ اللہ کے بندوں کو نظر آتی ہے تو اللہ ان کے دلوں میں بھی ایسے لوگوں کی محبت پیدا فرما دیتے ہیں، تو اگر وہ نوجوان اپنا کچھ وقت ان اللہ والوں کے ساتھ گذاریں گے، ان کے ساتھ رہیں گے تو یقیناً یہ محبت ان کے دلوں کے اندر بھی آئے گی، اور انشاء اللہ اس راستہ سے پھر وہ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے بھی ان کے دماغوں اور دلوں میں منتقل ہوگی، ہم سے یہی مطالبہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہمارے ایمان کا بنیادی حصہ ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے صاف فرما دیا؛ جب تک اہل ایمان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت غالب نہیں ہوگی اس وقت تک ایمان معتبر نہیں ہے۔(۱)

(۱) کنز العمال: ۱۰۸٤

www.abulhasanalinadwi.org

اہل محبت

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ مَن یَرْتَدَّ مِنکُمْ عَن دِیْنِهِ فَسَوْفَ یَأْتِیْ اللّهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُ﴾ (المائدۃ: ٥٤)

(اے ایمان والو! تم میں جو بھی اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ آگے ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں جو اشارہ فرمایا ہے وہ خاص نکتہ کی بات ہے کہ جو لوگ ایمان والے ہیں اگر وہ دین سے پھر جاتے ہیں اور دین پر قائم نہیں رہتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے، محبت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ استقامت پیدا کرتی ہے، گویا ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہ رہا ہے کہ پھر وہ ایسے لوگوں کو لائے گا جو دین سے پھرنے والے نہیں ہوں گے، ان کے اندر اللہ سے محبت اور اللہ کو ان سے محبت ہوگی، ظاہر ہے اس کے نتیجہ میں ان کو کس درجہ ایمان کی حلاوت مل جائے گی اور بندگی کرتے وقت ان کو کس درجہ مزا ملے گا، یہ بیان سے باہر ہے، جس کو وہ مزا مل جائے اور اس کا چسکا لگ جائے اس سے وہ چیز نہیں چھوٹ سکتی، دنیا میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں کہ اگر کسی کو ان کا چسکا لگ جاتا ہے، پھر ان کا چھڑانا مشکل ہوتا ہے، اس کی مثالیں بہت بھونڈی ہیں، یہ حقیقت ہے کہ اس حقیر دنیا میں بہت سے لوگوں کے لیے بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان کا چسکا منھ سے لگ جائے تو منھ سے لگی نہیں چھوٹتی، اس سلسلہ میں

www.abulhasanalinadwi.org

بہت دشواریاں پیش آتی ہیں، حالانکہ ان کے اس مزے کی کوئی قیمت نہیں، اسی کے برخلاف اللہ کے برگزیدہ بندوں کا حال یہ ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کی عبادت ہی میں ایسا مزا آتا ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے، حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ

"أهل الليل فی ليلهم ألذ من أهل اللهو فی لهوهم"(۱)

(رات کے عبادت گذار راتوں میں ناچ گانے والوں سے کہیں زیادہ لذت پاتے ہیں)

روح کی غذا

اللہ والوں کو اللہ کی بندگی میں راتوں میں جو لطف آتا ہے اس کی قیمت کو کون سمجھ سکتا ہے؟ دنیاداروں کو شراب و کباب میں جو مزا راتوں میں آتا ہے، ان سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ ان راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اولیاء اللہ کو لطف حاصل ہوتا ہے، اس مرحلہ میں مسئلہ صرف بندگی اور ادائیگی فرض کا نہیں رہ جاتا، بلکہ وہ چیز ان کی روح کی غذا بن جاتی ہے، اسی میں ان کو لطف آتا ہے، معلوم ہوا محبت سے استقامت ملتی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے کہ جس کو اس کا مزا لگ جائے وہ چھٹتا نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایمان کی دولت ہاتھ آنے کے بعد اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے ان کی کیفیت بیان سے باہر کی چیز ہے، اس کی مثال ملنی مشکل ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایمان سے پھرا ہو، ابوسفیان سے ہرقل نے جو سوال کیا تھا اس میں یہ سوال بھی تھا کہ بتاؤ کیا ان لوگوں میں سے ایمان لانے کے بعد کوئی پھرتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، ایسا نہیں ہوتا بلکہ جو ایمان لے آتا ہے وہ ایمان سے نہیں پھرتا، یہ جواب سن کر بادشاہ نے کہا: یہ واقعی ایسا ہی دین ہے اور یہ دین حق کی علامت ہے کہ اس میں آنے کے بعد آدمی نہیں پھرتا، لیکن شرط وہی ہے کہ وہ دین حق کے اندر آجائے، باہری حد تک نہ رہ جائے، بلکہ دین کی حقیقت اندر تک اترے تو وہ کبھی بھی دین سے نہیں پھر سکتا۔

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۲۰۳

www.abulhasanalinadwi.org

محبت سے بیزاری کا سبب

مسلمانوں کی صورت حال یہ ہے کہ ابھی دین کی حقیقت اتری ہی نہیں ہے، ابھی معاملہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر دین آ گیا، لیکن اس دین کی مٹھاس نہیں ملی، دین ہمارے اندر داخل نہیں ہوا، خدا کی معرفت ابھی حاصل نہیں ہوئی، اللہ کی محبت نہیں ملی، تو ظاہر ہے کہ ہم کنارہ پر ہیں، جب کنارہ پر ہیں تو اس کی بندگی بھی کنارہ پر ہے، جس کا نقشہ قرآن مجید میں بھی یوں کھینچا گیا ہے؛

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ (الحج: ۱۱)

(اور کچھ لوگ وہ ہیں جو دور ہی دور سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں پھر اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہوا تو اس سے مطمئن ہو گئے اور اگر آزمائش پڑی تو الٹے پھر گئے، انھوں نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی)

یعنی بہت سے لوگ کنارہ کنارہ عبادت کرتے ہیں، وہ اندر داخل ہی نہیں ہوتے، ظاہر ہے جب دین کے اندر داخل نہیں ہوں گے تو چھلکے کی کڑواہٹ ہی ان کو ملے گی، اندر کی مٹھاس نہیں مل سکتی، عام طور پر پھل کا چھلکا کڑوا ہوتا ہے، اب کوئی پھل نہ کھائے اور منھ سے لگا کر چھلکے کو کھترے اور کہے یہ مزے دار نہیں ہے کڑوا ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ پہلے اندر جاؤ، ابھی تم چھلکے پر ہو وہ تو کڑوا ہی ہوتا ہے، جب اندر جاؤ گے تو حقیقت ملے گی، ایسے ہی بہت سے لوگ اللہ کی بندگی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ چھلکے ہی میں رہ جاتے ہیں، اور جب رہ جاتے ہیں تو وہ چیز ان کے اوپر شاق ہوتی ہے جس کا چکھنا اور کھانا آسان نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کو مال مل گیا تو خوش ہوں گے، اور زبان پر یہ بول ہوں گے کہ ماشاء اللہ ایمان بڑا اچھا ہے، لیکن اگر کوئی آزمائش آ گئی تو پھر سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے، فوراً پلٹ جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے

www.abulhasanalinadwi.org

کہ ابھی ان کے اندر دین نہیں اترا، دین جب اندر اترتا ہے تو اس کی حلاوت حاصل ہوتی ہے اور اس دین کے اندر اترنے کا واحد راستہ خدا و رسول ﷺ کی حقیقی محبت ہے، اگر کوئی شخص اس خصوصیت کا حامل ہے تو کبھی بھی دین سے نہیں پھر سکتا، اس لیے کہ اس کو دین کا مزامل جاتا ہے، یہی بات اشارہ کے طور پر اس آیت میں کہی جارہی ہے کہ اگر کوئی دین سے پھرتا ہے تو وہ اپنا نقصان کرتا ہے، ایک مرحلہ یہ آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے، اللہ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے، اللہ کو اپنے بندوں سے بہت پیار ہے، لیکن اگر بندہ ہی سرکش بن جائے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے، خود انسان کے ساتھ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آجائے تو اس کے اندر ایک انقباض اور کبیدگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اولاد سے کس کو محبت نہیں ہوتی، ہر انسان کو بے حد محبت ہوتی ہے، لیکن اولاد جب بغاوت پر آمادہ ہوجائے، سرکشی پر اتر آئے، باپ کو باپ اور ماں کو ماں نہ سمجھے تو اس کے بارے میں دل کے اندر کبیدگی پیدا ہوجاتی ہے، آدمی یہاں تک کہتا ہے کہ ہماری جائیداد سے اس کو کوئی حصہ نہ دیا جائے، اس کو عاق کردیا جائے، اگرچہ یہ بات شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کا نظام طے کردیا ہے، اس کے بعد ہم طے کرنے والے کون ہوتے ہیں، لیکن آدمی کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو عاق کردیا جائے، اس لیے کہ وہ بچہ باغی ہوگیا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے تمام بندوں سے پیار ہے، جیسے آدمی کو اولاد سے پیار ہوتا ہے، لیکن بندہ ہی اکڑ جائے، بندہ ہی یہ طے کرلے کہ اللہ سے بغاوت کرنی ہے، یہ طے کرلے کہ ہم کو اپنے مالک کو ماننا ہی نہیں ہے، تو ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو کیا محبوب رکھے گا، اور اس سے محبت کہاں قائم رہے گی، اللہ کو بندوں سے پیار ہے، لیکن اسی وقت ہے جب بندہ بھی بندہ بن کر رہے، جیسے ماں باپ کو اولاد سے پیار ہوتا ہے، لیکن اسی وقت تک رہتا ہے جب اولاد بھی اولاد بن کر رہے، اس اولاد کے اندر سرکشی پیدا ہوجائے تو ایسی اولاد کے بارے میں ماں باپ بھی

www.abulhasanalinadwi.org

غیر مطمئن ہوتے ہیں اور محبت ختم ہوجاتی ہے، ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔

لیکن یہ محبت تب قائم رہتی ہے جب آدمی خود بھی محبت کرنے والا ہو، اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے والا ہو، تو اللہ تبارک وتعالیٰ بہت زیادہ محبت فرماتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو مثال سے سمجھایا کہ ایک ماں کیا اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو آگ میں جھونک دے؟ صحابہ نے عرض کیا: ممکن نہیں ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کو تو ماں سے زیادہ اپنے بندوں سے پیار ہے، جیسے ایک ماں کو اپنے بچہ سے پیار ہوتا ہے، اللہ کو اپنے بندوں سے ماں سے زیادہ پیار ہے، لیکن بندہ کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ کچھ کوشش کرے، اس کے بتائے ہوئے راستہ پر کچھ چلے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنا مالک سمجھے، اپنا پیدا کرنے والا سمجھے، اس کی بات کسی درجہ ہی میں سہی لیکن مانے، کم سے کم فرائض کی پابندی کرے، بڑے بڑے گناہوں سے بچے، اگر کوئی ایسا ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے شخص کو جہنم میں نہیں بھیجیں گے، اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرمائیں گے، وہ بہت رحیم وکریم بڑے بخشنے والے ہیں، لیکن اس کے لیے اس راستہ پر چلنا ضروری ہے، اور جب محبت پیدا ہوجاتی ہے تو پھر ہر راستہ آسان ہوجاتا ہے، بڑی بڑی مشقت کا اٹھانا آسان ہوجاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اصحاب ایمان وعزیمت کی شان

﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰهِ﴾ (البقرة: ١٦٥)

(اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں)

معلوم ہوا جو واقعۃً سچا ایمان رکھنے والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہی سے محبت رکھتے ہیں، اس آیت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جو ظاہری ایمان رکھتے ہیں وہ اس میں شامل نہیں ہیں، اس لیے کہ ان کے اندر محبت ہی پیدا نہیں ہوتی، جو سچا ایمان رکھتے ہیں ان کے دل کے اندر محبت پیدا ہوتی ہے، اور جب سچی محبت پیدا ہوتی ہے تو استقامت پیدا ہوتی ہے، پھر ان کا ایمان ایسا پہاڑ بن جاتا ہے کہ بڑی سے بڑی آندھیاں، بڑے سے بڑے طوفان اس کو نہیں ہلا سکتے، ان کا ایمان پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے، تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اہل ایمان کے سامنے کیسے کیسے حالات پیش آئے، لیکن اس کے باوجود وہ اس طرح اپنے ایمان پر اٹل رہے اور اللہ کی ذات پر ان کو یقین حاصل تھا کہ ان کوئی نہیں ہلا سکا۔

حقیقی محبت کا ثمرہ

ایمانی محبت کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ صرف بڑے بڑے مسائل ہی کا سامنا کیا جائے، ہمارے اسلاف کا حال تو یہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر وہ اس طرح جمے ہیں، لگتا ہے وہ اپنی جگہ پہاڑ ہیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو امام سنت کہلاتے ہیں، اللہ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا، ان کی حیات میں جب خلق قرآن کا فتنہ کھڑا ہوا، تو اس

www.abulhasanalinadwi.org

کے مقابل وہ مضبوطی سے جمے رہے، انہوں نے سمجھا کہ یہ مسئلہ ایمان اور صحیح عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے، اگر ہم اس میں ذرا بھی نیچے اتریں گے تو ہوسکتا ہے امت انحراف کا شکار ہوجائے، اس لیے وہ ایسا جمے کہ اس وقت کی بڑی طاقتور حکومتیں ایک طرف ہوگئیں، لیکن انہوں نے اپنی جگہ سے ٹل کر نہ دیا، کیسی کیسی پیشکشیں کی گئیں، تمہیں اس طرح نوازا جائے گا، بس تم ایک مرتبہ اس کی موافقت کی بات کہہ دو، لیکن وہ کسی صورت تیار نہ ہوئے، اس کے بعد ان کی سخت آزمائش ہوئی، ان پر ایسے کوڑے لگائے گئے، کوڑا لگانے والا خود کہتا ہے اگر وہ کوڑا کسی ہاتھی پر لگایا جاتا تو وہ ہاتھی بے قابو ہوجاتا، یہ کوڑے امام احمد پر لگائے گئے، اور اس کے باوجود ان کا وہی حال رہا، انہوں نے وہی کہا کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جو چیز میں صحیح سمجھ رہا ہوں میں اسی کا قائل رہوں گا، اب غور کیا جائے کہ وہ ایک مسئلہ کی خاطر اس طرح جم گئے، ان کی آزمائشیں بھی ہوئیں تو ان کے اندر یہ غیر معمولی استقامت کہاں سے آئی؟ اس کا جواب یہی ہوگا کہ یہ چیز سچی محبت سے پیدا ہوئی، جو سچا ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں، سب سے زیادہ ان کی محبت اللہ سے ہوتی ہے، ان کے نزدیک جان وتن کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے، یہ جو پیسہ روپیہ ہے اس کی اصل قیمت ان کے نزدیک کچھ نہیں ہے، ان کی دنیا تو الگ ہے، ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں، اور یہ چیز ان کے اندر محبت سے پیدا ہوتی ہے، گویا محبت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اللہ کی محبت اگر مل جائے، تو گویا ایمان کا ایک بڑا جوہر مل جاتا ہے، پھر ایمان کی یہ بہت واضح علامت بھی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب تک اللہ کے رسول ﷺ سے سب سے بڑھ کر محبت نہ کی جائے اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

حلاوت ایمانی کی شرائط

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ؛ أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.(۱)

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے اندر تین باتیں ہوں اس کو ایمان کی حلاوت (چاشنی ولذت) محسوس ہوگی؛

۱- اللہ اور اس کے رسول ﷺ ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲- وہ کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لیے کرے۔

۳- وہ کفر کی طرف دوبارہ لوٹنا اتنا ہی ناپسند کرے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

یہاں حلاوت ایمانی کی تین علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں، اگر یہ تین چیزیں کسی کے اندر پیدا ہوجائیں تو پھر اس کو ایمان کی حلاوت حاصل ہوجاتی ہے، اگر غور کیا جائے تو یہ تینوں خصلتیں خاص محبت ہی سے تعلق رکھتی ہیں، پہلی خصلت جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی وہ یہ کہ ایک صاحب ایمان کو واضح طور پر اللہ اور رسول ﷺ سے سب

(۱)صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب حلاوة الايمان: ١٦

www.abulhasanalinadwi.org

سے زیادہ محبت ہو، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ جو چیزیں بھی ہوں وہ نگاہوں میں ہوں، اس کی قیمت نگاہوں میں ہو، اس کے فوائد نگاہوں میں ہوں، سب کچھ نگاہوں میں ہو، لیکن ساری چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے ہیچ ہوں، اللہ و رسول کی محبت اس قدر غالب ہو کہ ہر چیز اس کے آگے نگاہ میں ایسی گر جائے کہ اس کے بعد کوئی چیز نگاہ میں جچے ہی نہیں، جس طرح اگر کسی کو ایک مرتبہ کوئی خوبصورت و حسین شخص نظر آجائے کہ کہیں ایسا نظر نہ آیا ہو، اس کے بعد وہ شخص کسی کو بھی دیکھے تو وہ نگاہوں میں جچتا ہی نہیں ہے، اسی طرح صاحب ایمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی راسخ ہو جائے کہ پھر نگاہوں میں کوئی جچے ہی نہیں۔

غلبہ محبت کا حال

انسان کے دل پر جب اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، پھر آدمی کا جو کام بھی ہوتا ہے اس کے سوتے وہیں سے پھوٹتے ہیں، کوئی چیز اپنے دل و دماغ سے نہیں چلتی، بلکہ ہر چیز کے سوتے اللہ کے رسول ﷺ کی محبت ہی سے پھوٹتے ہیں، اب دنیا میں اگر کسی سے محبت بھی ہوتی ہے تو صرف اس لیے کہ وہ شخص اللہ و رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، وہ شخص ایسا ہے کہ اللہ کو اس سے محبت ہے تو ہمیں بھی اس سے محبت ہے، وہ شخص ایسا ہے کہ وہ دین سے محبت رکھتا ہے تو ہمیں بھی اس سے محبت ہے، وہ شخص ایسا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم اس سے محبت کریں اس لیے ہمیں اس سے محبت ہے، گویا دنیا کی جو محبتیں ہیں ان کا رشتہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت سے جڑ جاتا ہے، خود اس کی طرف سے کوئی بات نہیں ہوتی، اس کو کسی سے از خود محبت نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے واسطہ اور رشتہ سے ہوتی ہے، یعنی جو آپ ﷺ کا محبوب وہ ہمارا محبوب، جو آپ ﷺ کا محبّ وہ ہمارا محبوب، آپ ﷺ سے جو کسی حیثیت سے تعلق رکھنے والا وہ ہمارا محبوب، اور یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے، اس کی گلی سے

www.abulhasanalinadwi.org

بھی محبت ہوتی ہے، ظاہر ہے جو جس سے محبت کرنے والا ہے، کوئی اس کا محبوب ہے تو اس سے محبت کا پیدا ہونا ایک طبعی چیز ہے، یا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اس سے تمہیں محبت کرنی ہے، تو ظاہر ہے کہ ہمارا محبوب کہہ رہا ہے کہ فلاں سے تمہیں محبت کرنی ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس سے محبت ہے، غرض کہ دنیا میں جس سے بھی اسے محبت ہے وہ گویا کہ اللہ کے لیے محبت ہے، یعنی اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے ملتا ہے، اور ظاہر ہے جب اس طرح کی محبت پیدا ہوگئی، ایسی ایمان کی حلاوت اس کو حاصل ہوگئی تو اب استقامت بھی اسی کو حاصل ہوگی، اور اس کے نتیجہ میں یہ بات بھی پیدا ہوگی، جس کو مذکورہ حدیث میں تیسرے نمبر پر بیان فرمایا گیا کہ کفر میں لوٹنا اس کو ایسا ہی سخت گذرے اور اس کو سوچ کر جھرجھری آجائے جیسے کوئی شخص آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے، اگر کسی سے کہا جائے کہ تمہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا تو اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجائے گی، جھرجھری طاری ہوجائے گی اور ایک خوف کی کیفیت طاری ہوجائے گی کہ اگر آگ میں ڈال دیا گیا تو میرا کیا بنے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کی محبت اس درجہ ہوجاتی ہے کہ ساری محبتیں وہیں سے ملتی ہیں تو ظاہر ہے کہ آدمی کے اندر ایسی استقامت وحلاوت پیدا ہوتی ہے کہ پھر کفر پر لوٹنے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے بغاوت کرنے کے متعلق وہ تصور ہی نہیں کرسکتا، ظاہر ہے اپنے محبوب سے کون بغاوت کرسکتا ہے؟ وہ محبوب جس کی محبت دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہو، اس سے آدمی کیا سوچ سکتا ہے اور کیا یہ تصور کرسکتا ہے کہ اس سے جدائی ہوجائے؟ یہ امکان ہی نہیں ہے، اس لیے اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ کفر پر لوٹنا اس کے لیے ناممکن ہوجاتا ہے، بلکہ وہ پوری طرح استقامت کے ساتھ رہتا ہے اور اسی پر جما رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو محبت ملی ہے۔

آدابِ محبت

محبت کے کچھ آداب بھی ہوتے ہیں، اگر ان کا خیال رکھا جاتا ہے تو محبت زیادہ

www.abulhasanalinadwi.org

کارآمد ہوتی ہے اور اس کے فوائد زیادہ حاصل ہوتے ہیں، اور اگر محبت کے آداب کا خیال نہ رکھا جائے تو بعض مرتبہ اس سے نقصان بھی ہوجاتا ہے، اس لیے کہ آدمی جس سے بھی محبت کرتا ہے اس کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے، اللہ سے محبت ہے، اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے، پھر جن چیزوں کو نسبت حاصل ہے ان چیزوں سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو بات ارشاد فرمائی ہے کہ

﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾

(الحج:۳۲)

(اور جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی تو یقیناً یہ دل کے تقویٰ کی بات ہے)

لہٰذا شعائر اللہ جو بھی ہوں چونکہ ان کی نسبت اللہ سے ہے اس لیے شعائر اللہ سے بھی محبت ہے، لیکن اس محبت میں یہ خیال رہے کہ محبت تعظیم کے ساتھ ہو، محبت کا جو محور ہے، جس سے محبت کی جارہی ہے، اس کے جو آداب ہیں، ان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، اللہ سے محبت ہے تو اللہ کی شان اقدس اور اس کا جو مقام ہے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اس کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے، ورنہ آدمی کو محبت ہے اور محبت میں ایسی بات کہنے لگے جو نامناسب ہو تو ہوسکتا ہے کہ بجائے مفید بننے کے وہ چیز مضر بن جائے، یہ الگ بات ہے کہ بعض مرتبہ آدمی کے اوپر حال طاری ہوجاتا ہے، جس کی بنا پر مغلوب الحال ہوکر جذبات میں ایسی بات کہہ جاتا ہے جو نامناسب ہوتی ہے لیکن وہ صاحب حال ہوتا ہے، وہ بے قابو ہوتا ہے، وہ واقف نہیں ہوتا اور کہہ جاتا ہے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس صورت میں اس کا مؤاخذہ نہ فرمائے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بنیاد پر اس کو قرب عطا فرمائے، لیکن وہ چیز دلیل نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی اس کو دلیل بنایا جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی عمل کرے گا تو بہک جائے گا۔

مغلوب الحال کا حال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا قصہ ہے کہ ایک دہقانی کسان اللہ تعالیٰ

www.abulhasanalinadwi.org

سے محبت میں مست تھا، وہ بے خودی میں کہنے لگا کہ اے اللہ! تو مجھے مل جائے تو میں تجھے کنگھا کروں، میں تیرے سر میں تیل لگاؤں، میں تیرے ہاتھ پیر دباؤں، وہ محبت میں بے خود رہا ہوگا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس سے گذرے تو ان کو غصہ آ گیا، کیونکہ شریعت ان کے ہاتھ میں تھی، چنانچہ انہوں نے کہا: تو کافر وملحد ہے، تو ایسی باتیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پیر کی بات کرتا ہے؟ اس پر بہت سخت ناراض ہوئے، اس پر مولانا روم نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی؛ موسیٰ! تم نے میرے بندہ کو ناراض کیا ہے، اس کا دل توڑا ہے، وہ میرا خاص بندہ ہے، معلوم ہوا اللہ تعالیٰ وہاں یہ بات اس لیے فرمارہا ہے کہ اس کا بندہ وہ بات مغلوب الحال ہوکر کہہ رہا تھا، وہ جانتا نہیں تھا، گویا اگر کوئی شخص مغلوب ہوکر اس طرح کی بات کبھی کہہ دے تو اس کو دلیل نہیں بنایا جائے گا، لیکن اگر کوئی دوسرا بھی یہی شروع کردے تو ہوسکتا ہے کہ وہ کفر تک پہنچ جائے، اس لیے یہ سمجھنے کی چیز ہے کہ آدمی مغلوب ہوکر جو بات کہتا ہے وہ معتبر نہیں ہوتی، بعض مرتبہ آدمی محبت میں مغلوب ہوجاتا ہے، حضرت مجدد صاحبؒ نے یہ بات لکھی ہے کہ کبھی مغلوب الحال ہوکر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جس کا شریعت سے زیادہ جوڑ نہ ہو، یا سنت سے بہت زیادہ قریب نہ ہو، تو انہوں نے اپنی اولاد کو یہ نصیحت کی کہ تم کبھی بھی اس بات کو دلیل نہ بنانا، بلکہ میں جو بات شریعت کی روشنی میں بالکل سنجیدگی اور ہوش کے حال میں کہہ رہا ہوں اس کا اعتبار ہے، اس کے علاوہ اگر کوئی بات مغلوب ہوکر کہہ دوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس قسم کے اہل اللہ کے بہت سے واقعات ہیں، ہمارے وطن تکیہ دائرہ شاہ علم اللہ کے ندی کنارے شاہ عبدالشکور مجذوبؒ رہا کرتے تھے، حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے زمانہ کا قصہ ہے، جب شاہ صاحب تکیہ تشریف لائے اور ان سے ملاقات ہوئی، تو وہ بھی مغلوب الحال تھے، ان کا حال یہ تھا کہ کپڑے بھی نہیں پہنتے تھے، برہنہ رہتے تھے، کہتے تھے دنیا میں جتنے بھی ہیں سب جانور ہیں، کوئی انسان نہیں ہے، ان کو

www.abulhasanalinadwi.org

اپنی آنکھوں سے کوئی انسان انسان ہی نظر نہیں آتا تھا، سب جانور نظر آتے تھے، البتہ جب حضرت سید شاہ علم اللہ صاحبؒ ملنے گئے، تو ان کو دور سے دیکھتے ہی کہہ اٹھے وہ انسان آرہے ہیں اور جلدی کھڑے ہوگئے اور اپنے بدن پر چٹائی لپیٹ لی، کہنے لگے ''دیکھو منئی آوت ہے''، گویا ان کو پہلی مرتبہ کوئی انسان نظر آیا، باقی سب جانور نظر آتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی حال کی بات ہے، وہ مغلوب الحال تھے، اس لیے یہ سب چیزیں دلیل نہیں بن سکتیں، دلیل کتاب وسنت ہے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جانیں اور ان کا اللہ جانے، لیکن اس پر تبصرہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ہم نے تبصرہ کردیا اور ادھر وہ شخص کوئی اللہ کا محبوب بندہ ہوا تو ہماری مصیبت آجائے گی، اسی لیے اولیاء اللہ کے متعلق یہ وضاحت کردی گئی:

''مَنْ عَادَیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ''

(جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے اس سے میرا اعلان جنگ ہے)

اعلان جنگ کے دو مقام

غور کی بات ہے کہ صرف دو ہی مقامات ایسے ہیں جن کے متعلق صراحۃً اعلان جنگ ہے، ایک سودی کاروبار والوں کے متعلق قرآن مجید میں ہے، اور ایک اللہ والوں سے جو دشمنی رکھتا ہے ان کے بارے میں حدیث میں ہے، اللہ کے ولی سے دشمنی کا وبال اللہ سے اعلان جنگ کی شکل میں اس لیے ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب ہیں، اور جو محبوب سے دشمنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کیسے چھوڑے گا، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر تنقید نہ کی جائے، ان کی تنقیص نہ کی جائے، یہ الگ بات ہے کہ کتاب وسنت سے ہٹ کر اگر کوئی بات نظر آئے گی تو اس کی وضاحت کی جائے گی، لیکن یہ خیال رہے کہ ان کی شان میں تنقیص ہرگز نہ کی جائے، ان کی توہین نہ کی جائے، ورنہ ہوسکتا ہے یہ چیز وبال ہوجائے، اور جو تنقیص کرنے والا ہے اس کے اوپر اس کا برا اثر پڑ جائے، اللہ کی شان ایسی غنی ہے کہ وہ کس بات پر کیا اجر

www.abulhasanalinadwi.org

دے دے، اور کہاں گرفت کرلے اس کا علم صرف اسی کو ہے، عام طور پر جب آدمی تنقید وتنقیص کرتا ہے تو اس کے اندر ایک تکبر سا پیدا ہوجاتا ہے جو کہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اتنا ناپسند ہے کہ ایک حدیث میں عجیب وغریب واقعہ بیان کیا گیا جس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ واقعہ یہ ہے:

کسی زمانہ میں دو دوست تھے، ان میں ایک نیک تھا اور دوسرا برائیاں کرتا رہتا تھا، گناہ میں پڑجاتا تھا، جو نیک دوست تھا وہ اپنے اس دوست کو سمجھاتا رہتا تھا، جو کہ ایک اچھی عادت ہے، انسان کو اپنے قریبی شخص کو سمجھانا ہی چاہیے، لیکن کبھی کبھی اس نیک دوست کو اس پر سخت غصہ آجاتا تھا اور سخت باتیں کہہ دیتا تھا، ایک دن اتنا غصہ آیا کہ اس نے کہا کہ سن لے تو کبھی جنت میں نہیں جائے گا، تو پکا جہنمی ہے، تیری بخشش نہیں ہوگی، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کو بلایا اور بلاکر کہا: تو کون ہوتا ہے قسم کھانے والا کہ یہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جنت تیری ہے یا میری؟ اب وہ پریشان ہوگیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کردیا کہ اب تو جہنم میں جائے گا اور یہ جنت میں جائے گا، اس واقعہ سے یہ سبق لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔

نوٹ:- آپ ﷺ نے جو یہ واقعہ بیان فرمایا اس کی عملی شکل قیامت میں پیش آئے گی۔

اصحاب دعوت کے لیے لمحہ فکریہ

بعض مرتبہ جو لوگ اصلاح کا کام کرنے والے ہیں، یا علمی انداز سے جو لوگ دارو گیر میں زیادہ پڑتے ہیں اور باریک باریک باتوں کو نکالتے ہیں، اگر وہ لوگ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کررہے ہیں تو یقیناً ان کو اجر ملے گا، لیکن ذرا بھی ان کی نیتوں میں فتور پیدا ہوا اور اپنی بڑائی کا احساس پیدا ہوا تو یہ بات ان کے لیے سخت خطرہ کی ہے، اور خاص طور سے ایسے لوگوں کے بارے میں زیادہ خطرہ کی ہے جو اللہ کے قریب ہیں، جو اولیاء

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ ہیں، اگر ان سے کوئی ایسی بات نظر آ گئی جو مغلوب الحال ہونے کی بنا پر کبھی انہوں نے کہہ دی، اور کوئی ان کی اس بات کو ہدف ملامت بنانے لگ جائے، اس پر تبصرے کرے تو یہ سخت خطرہ کی بات ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں، اور جب محبوب ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں نظام ہے، سب کچھ کرنے والا وہی ہے، سب کچھ وہی کرتا ہے، ہم تبصرہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اس لیے اس عادت سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، البتہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ شریعت کے مسائل کو دودھ کے دودھ اور پانی کے پانی کی طرح واضح کریں، ان کا یہی کام ہے، لیکن یہ کام بھی ادب کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے، ایک عالم نے بہت اچھی بات کہی کہ ہم علماء کا کام یہی ہے کہ ہمیں تو جھاڑو دینی ہے، کہیں کوئی کوڑا آ گیا، کوئی کرکٹ آ گیا تو ہمیں جھاڑو دینی ہے، اسی طرح ہم دربانی کا کام بھی کرتے ہیں، اگر کوئی دروازہ پر غلط طریقہ پر آئے گا تو ہم اس کو ٹوکیں گے، اسے بتائیں گے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر شہزادہ بھی آئے گا اور اس سے کچھ غلطی ہوئی ہے تو ہم ادب کے ساتھ کہیں گے کہ حضور ذرا سا آپ اس بات کو ٹھیک کر لیجئے یہ آپ کی شایان شان نہیں، کیونکہ ادب کا یہی طریقہ ہے، اور اگر شہزادہ کو اس طرح ٹوک دیں کہ آپ اس طرح آنے والے کون ہوتے ہیں؟ آپ کو اس طرح نہیں آنا چاہیے تو ظاہر ہے شہزادہ اپنے ابا سے کہے گا کہ اس کو باہر نکالیے، اس کی گردن قلم کر دیجئے، لہٰذا یہ بات ذہن میں رہے کہ جس کا جو کام ہے اس کو وہ کرنا ہے، لیکن یہ سوچ کر کرنا ہے کہ ہم کس سے کہہ رہے ہیں اور وہ کس مقام کا آدمی ہے؟ بعض مرتبہ اس سلسلہ میں بہت غلطی ہو جاتی ہے۔

لحاظ کی ضرورت

حاصل بحث یہ ہے کہ ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ہم سب کے لیے نہایت ضروری ہے، اس لیے کہ محبت کا دروازہ ہی عجیب ہے، اس میں داخل ہوتے وقت جو آداب محبت ہیں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے، اس میں کہیں تعظیم کی ضرورت پڑتی ہے، کہیں

www.abulhasanalinadwi.org

احترام کی ضرورت پڑتی ہے، اگر یہ چیزیں شامل نہیں کی جائیں گی تو اس سے نقصان ہوگا، جو چیزیں شعائر اللہ ہیں، جن کی نسبت اللہ کی طرف ہے، مثلاً: مسجدیں شعائر اللہ ہیں، قرآن مجید شعائر اللہ میں سے ہے یا جن چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف ہے وہ شعائر اللہ میں داخل ہیں، ان کے لیے دل میں محبت بھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ احترام بھی ہو کہ یہ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں، ان کی محبت ہونی چاہیے، اپنے گھر سے زیادہ مسجد سے محبت ہونی چاہیے، اس لیے کہ مسجد اللہ تبارک وتعالیٰ کا گھر ہے، ہمارا گھر تو ہمارا ہے، ہمیں اپنے گھر کا جو اہتمام ہوتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ اہتمام مسجدوں کا ہونا چاہیے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسجدیں اس قابل ہیں کہ ان کو بلند کیا جائے، ظاہر ہے بلند کیے جانے کا مطلب اونچا مینار بنانا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسجد کی عظمت دل کے اندر ہو، آخری درجہ کی عظمت ہو کہ یہ اللہ کا گھر ہے، اس کی صفائی کا خیال رکھا جائے، وہاں کوئی گندگی کا کام نہ کیا جائے، ہم سے اکثر ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں، اگر مسجد میں افطار کر رہے ہیں تو کھجور کھائی اور گٹھلی وہیں پھینک دی، اگر مسجد میں سو رہے ہیں تو سونے میں مسجد کا کوئی خیال نہیں، جب کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کرے اور چادر بچھا کر سوئے تاکہ مسجد میں کوئی گندگی نہ ہو اور اس کا خاص دھیان رہے، مسجد میں سوتے وقت ایسی غفلت کی نیند نہ آئے جیسے کہ اپنے گھر میں سو رہا ہو، یہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، جب تک ہم مسجد میں رہیں تب تک اس بات کا خاص دھیان رہے کہ ہم اللہ کے گھر میں ہیں، کوئی ایسی جگہ آدمی جاتا ہے، جہاں کوئی بہت بڑا آدمی ہو، اور بہت ہٹو بچو بھی ہو رہی ہو اور بہت آداب بھی ہوں، تو وہاں بعض مرتبہ رات رات بھر آدمی کو نیند نہیں آتی کہ پتہ نہیں ہم سو جائیں اور کس حال میں ہو جائیں، ہمارا وہ حال یہاں کے لیے مناسب ہو یا نہ ہو، اسی طرح یہ مساجد اللہ کا گھر ہیں، یہاں اگر آدمی سوئے بھی تو دھیان کے ساتھ سوئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا دھیان دل میں رہے، اسی کا ذکر کرتے کرتے سوئے،

www.abulhasanalinadwi.org

سنت طریقہ کے مطابق سوئے۔

ادب کا تقاضا

اسی طرح مسجدوں میں قرآن مجید بھی رکھے رہتے ہیں، ان کا بھی ادب ہونا چاہیے، یہ مصاحف ہیں، یہ اللہ کی کتابیں ہیں، ان کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہے، اور جب ہم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو ان مصاحف سے بھی محبت ہونی چاہیے، ہمارے دل میں محبت کے ساتھ ان کے لیے عظمت وادب کا جذبہ بھی ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مسجد میں معتکف ہیں اور برابر میں قرآن مجید رکھا ہے، وہیں رات کو چائے پی رہے ہیں اور چائے کی پیالی (معاذ اللہ) قرآن مجید پر ہی رکھی ہوئی ہے، ظاہر ہے اس سے بڑھ کر بے برکتی اور محرومی کی بات نہیں ہوسکتی، بعض مرتبہ محرومی کے فیصلے ایسی ہی باتوں پر ہوجاتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس کا قصہ مشہور ہے کہ اثناء درس تیز ہوا چلی، جب ہوا کے زور سے اوراق زیادہ الٹنے لگے تو انہوں نے طلبہ سے کہا؛ اس پر کچھ رکھ دو، ایک طالب علم نے عجلت میں اپنے پیر کا انگوٹھا ہی رکھ دیا، چنانچہ وہیں یہ فیصلہ ہوگیا کہ یہ ملحد بنادیا جائے گا، اس کا ایمان سلب ہوجائے گا اور اس کا ایمان سلب کرلیا گیا، معلوم ہوا ادب اس قدر ضروری ہے کہ ادب سے اللہ تعالیٰ وہ دیتا ہے جو کسی اور چیز سے آسانی سے نہیں ملتا، دل کے اندر جتنا ادب ہوگا، جتنی شعائر اللہ کی تعظیم ہوگی اور اس کے ساتھ محبت بھی ہوگی، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوازشات کا سلسلہ ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ محبت جب عظمت کے ساتھ ہوتی ہے یا عظمت جب محبت کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کی کیفیت ہی الگ ہوتی ہے، اگر صرف عظمت ہے تب بھی بات نہیں بنتی ہے، لیکن جب عظمت کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے تو عمل کرنا بڑا آسان ہوجاتا ہے، وہ دل کا ایک تقاضا بن جاتا ہے، پھر اگر اس کے سامنے قرآن مجید رکھا ہے تو اس کے دل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کو اونچی جگہ رکھا جائے، اس کو سلیقہ سے رکھا جائے، اس لیے کہ طبعی بات ہے ہر آدمی کو اپنی چیز اچھی لگتی ہے، اگر

www.abulhasanalinadwi.org

اپنی چیز کے ساتھ کوئی بدسلوکی کرے تو بہت برا لگتا ہے، مثلاً: کوئی مصنف ہے اور اس کی کوئی کتاب اچھی چھپی ہوئی ہے، اس کے سامنے آپ وہ کتاب لے کر جائیں، اور توڑ مروڑ کر رکھ دیں، جلد بازی میں اس کتاب کا ورق بھی پھٹ جائے تو یقینی بات ہے جب مصنف یہ منظر دیکھے گا تو اس کو برا لگے گا کہ یہ شخص بڑا ناقدرا ہے، اتنی اچھی کتاب چھپی ہوئی ہے، کس طرح اس کو دیکھ رہا ہے، معلوم ہوا جب بندہ کا یہ حال ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے، بہت غنی ہے، اس کے یہ مصاحف حقیقت میں اللہ کی کتابیں ہیں، اس لیے ان کا ظاہری ادب بھی ہونا چاہیے، اور ان کا باطنی ادب بھی ہونا چاہیے، ان کا خیال رکھنا ضروری ہے، اس لیے کہ بغیر ادب کے کچھ نہیں ملتا، اللہ سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا جتنا ادب ہوگا اور محبت کے ساتھ ادب ہوگا، اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ ترقی کے راستے کھولتا چلا جاتا ہے۔

لوازماتِ محبت

آداب محبت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، لیکن آج کل لوگ الٹا کر دیتے ہیں، یہ یاد رکھنے کی چیز ہے کہ کہیں محبت کے ساتھ ادب کی ضرورت ہے اور کہیں عظمت کی ضرورت ہے، اسی طرح کہیں محبت ہوتی ہے لیکن وہاں محبت کے ساتھ تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، البتہ آج کل کا معاملہ ہی الٹا ہو گیا ہے، اب حال یہ ہو رہا ہے کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کے ساتھ جو محبت ہونی چاہیے وہ اللہ کا حکم ہے، ان کا حق ہے، لہٰذا اللہ کے لیے ان سے محبت ہونی چاہیے، اگرچہ وہ ایک فطری محبت ہے، لیکن یہ نیت کرنی چاہیے کہ ماں باپ سے محبت اللہ کا حکم ہے کہ ان سے محبت کی جائے، ان کی تابعداری کی جائے، اس لیے ہم ان سے محبت کرتے ہیں، اسی طرح ماں باپ کی محبت کے ساتھ عظمت بھی ہونا چاہیے، لیکن دنیا میں آج یہ ہو رہا ہے کہ اگر ماں باپ سے محبت ہے بھی، اول تو محبت ہی نہیں رہتی، فطرتیں بالکل مسخ ہو گئیں ہیں، لیکن اگر ہے بھی تو بجائے عظمت کے ہوتا یہ ہے کہ ان کے ساتھ کبھی کبھی بے توقیری ہو جاتی ہے، جس سے بہت

www.abulhasanalinadwi.org

نقصان پہنچتا ہے، اسی طرح ماں باپ پر ضروری ہے کہ اولاد کے ساتھ محبت کا معاملہ کریں، یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے، گرچہ آدمی کو اولاد سے محبت ہوتی ہے، لیکن دینی تقاضا یہ ہے کہ اس محبت میں بھی وہ یہ نیت کرلے کہ اللہ کا حکم ہے اولاد کے ساتھ محبت کرنے کا اس لیے محبت ہے، تو انشاء اللہ اس محبت کا ثواب ملے گا، لیکن اس محبت کے ساتھ تربیت کی بہت ضرورت ہے، بسا اوقات اصول تربیت ملحوظ نہ رکھنے کے نتیجہ میں شدت محبت میں ایسا ہوتا ہے کہ باپ اپنے لڑکے کو بھی نہایت باادب الفاظ سے خطاب کرتے ہیں، ''آپ تشریف لائیے'' ''آپ کھانا کھائیے''، یہ ایک عجیب تہذیب چلی ہے، ظاہر ہے اس کے بعد بچوں کی صحیح تربیت ایک مشکل کام ہے، لیکن اس طرح کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ بھی تربیت کا ایک طریقہ ہے، ہم اس کو جو لہجہ سکھائیں گے، یہ اسی لہجہ میں ہم سے بولے گا، ظاہر ہے اس سے بڑی کوئی حماقت نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہاں بالکل الٹی بات چل رہی ہے، آپ لڑکے سے کہتے ہیں کہ صاحبزادے آیئے، تشریف لائیے، کھانا کھائیے، اور لڑکا کہتا ہے کہ ابا تم کھاؤ، ابھی ہم کہیں جارہے ہیں، دیکھا کہ ابا تو ''آپ جناب'' سے خطاب کررہے ہیں اور بیٹا بدتمیزی پر اتارو ہے، یعنی وہ ''تم'' کہہ رہا ہے اور ابا صاحب اس پر دیوانے ہوئے جارہے ہیں، یہ نظام ہم لوگوں نے خود بگاڑا ہے، ہم ہی نے بے ترتیبی اختیار کی ہے، اسی چیز کو عدم توازن کہتے ہیں، ظاہر ہے اس کے بعد تربیت کیسے ممکن ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایمان کا تقاضا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.(١)

ترجمہ:-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہوجاؤں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.(٢)

ترجمہ:-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری محبت اہل وعیال، مال و دولت اور تمام لوگوں کی محبت پر غالب (اور زیادہ) نہ ہوجائے۔

محبت کا اصول یہ ہے کہ اگر اس میں آداب کا خیال رکھا گیا تو اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور اگر آداب کا خیال نہیں رکھا گیا تو اس سے نقصان پہنچتا ہے، حدیث شریف میں آتا

(١)صحيح البخارى، كتاب الايمان، باب حب الرسول من الايمان: ١٥

(٢)مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب محبة رسول اللهﷺ أكثر من الأهل...: ٤٤

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد سے زیادہ، اس کی اولاد سے زیادہ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، گویا یہ محبت کی علامت ہے کہ آدمی جب مقابلہ کا وقت آئے تو آپ ﷺ کے بارے میں یہ طے کرلے کہ آپ ﷺ ہی کی بات سب سے بلند ہے، سب سے اونچی ہے، جب آپ نے ایک حکم بتادیا تو کوئی کچھ بھی کہے، باپ، ماں، بیٹا، گھر والے کچھ کہیں، رسم ورواج کچھ کہے، لیکن اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم کچھ اور ہے تو ہمیں اسی پر چلنا ہے، تو اس کا یہ طرز عمل اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر اللہ کے رسول ﷺ کی محبت غالب ہے، اسی لیے ہر صاحب ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کا جائزہ لیتا رہے، آپ ﷺ کے احسانات اور آپ کے جمال وکمال کے بارے میں سوچتا رہے، تاکہ آپ کی محبت بڑھتی چلی جائے، اور جتنا زیادہ آدمی سوچے گا، جتنا زیادہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے بارے میں اور آپ ﷺ نے امت کے لیے کس طرح قربانیاں دیں، اپنا سب کچھ قربان کردیا، اس کے بارے میں جتنا غور کرے گا اتنی ہی زیادہ محبت بڑھتی چلی جائے گی۔

حضرت عمرؓ کے بالکل شروع دور کی بات ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی کہ سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہونی چاہیے تو حضرت عمر نے کہا: اللہ کے رسول! گرچہ آپ کی محبت غالب نظر آرہی ہے، آپ کی محبت سب سے بڑھ کر نظر آرہی ہے اور باقی تمام لوگوں کی محبت مغلوب ہے، لیکن ابھی محسوس یہ ہورہا ہے کہ اپنی ذات سے شاید کچھ زیادہ تعلق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: عمر! تمہارا ایمان ابھی کامل نہیں ہوا، چنانچہ کچھ مراقبہ اور دھیان کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول! اب تو اپنی ذات سے زیادہ آپ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اب ایمان مکمل ہوا۔(۱)

حصول محبت کا نسخہ

معلوم ہوا ایمان کی تکمیل اسی وقت ہوگی جب ایک صاحب ایمان کو اللہ کے

(۱) بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبي ﷺ: ٦٦٣٢

www.abulhasanalinadwi.org

رسول ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہو، اور دل میں اس کی ایک کیفیت آدمی محسوس کرنے لگے، اور یہ جبھی ممکن ہوتا ہے جب آپ ﷺ کے احسانات کا خوب جائزہ لیا جائے، ان کے بارے میں سوچا جائے اور درود شریف کی کثرت کی جائے، اور خاص استحضار کے ساتھ اور خاص کیفیت کے ساتھ درود شریف پڑھا جائے تو آدمی کو ایک مزا ملنے لگتا ہے، پھر حقیقی محبت پیدا ہوتی ہے، اس گنہگار نے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کو متعدد مرتبہ جہاز میں دیکھا، جب بھی کبھی حضرت مولانا کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا، چار چار گھنٹہ اور تین تین گھنٹے کا سفر ہوتا تھا، دوران سفر آپ درود شریف ہی پڑھتے رہتے تھے، جب اس سلسلہ میں پوچھا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ جہاز پر درود شریف پڑھنے میں ایک خاص لطف آتا ہے، اس لیے کہ جہاز اڑتے وقت ہم بلندیوں پر ہوتے ہیں، اور ایسا کون ہے جو اتنی بلندیوں پر اپنے نبی کو یاد کر رہا ہوگا، مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو فرمایا ہے: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ یعنی ہم نے آپ (ﷺ) کے تذکرے کو بلند کیا، اس کا استحضار اور تصور کر کے میں جب درود شریف پڑھتا ہوں تو مجھے ایک خاص لطف آتا ہے، غرض کہ یہ طے شدہ بات ہے کہ جب آدمی وہ کیفیت پیدا کرے گا تو اس کے نتیجہ میں محبت بڑھے گی، لیکن اگر آدمی غافل ہو جائے اور دنیا کے کاموں میں مست رہے، اس کو اس کا کوئی دھیان ہی نہیں، وہ درود شریف پڑھتا ہی نہیں ہے تو محبت کہاں سے پیدا ہوگی؟ لیکن جب اس بارے میں سوچے گا، آپ ﷺ کے احسانات یاد کرے گا، درود شریف کی کثرت کرے گا، آپ ﷺ نے کس قدر اپنی تڑپ کا اظہار فرمایا ہے، اس کے بارے میں سوچے گا تو آہستہ آہستہ محبت بڑھتی چلی جائے گی، اور اس کے نتیجہ میں پھر انشاء اللہ ایمان کی حلاوت اور استقامت بھی نصیب ہوگی۔

www.abulhasanalinadwi.org

محبت کا صلہ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَتىٰ السَّاعَةُ؟ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَعْدَدْتَ لَهَا"؟ قَالَ: حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، قَالَ "أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ". قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَأَنَا أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ وَانْ لَمْ أَعْمَلْ بِأَعْمَالِهِمْ.(١)

ترجمہ :-حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: ایک اعرابی (بدو) نے حضور ﷺ سے پوچھا، قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس اعرابی نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت، (جواب میں) حضور ﷺ نے فرمایا: تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو گے، (اس پر) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں، مجھے (خدا سے) امید ہے کہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گا چاہے ان کے جیسے کام نہ کرسکوں۔

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک ایسی بات ارشاد فرمائی جس کے

(١)صحيح مسلم، كتاب البر و الصلة، باب المرء مع من أحب: ٢٦٣٩

www.abulhasanalinadwi.org

بارے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یہ کہا کرتے تھے کہ اسلام لانے کے بعد اسلام کی دولت کے بعد کسی چیز سے ایسی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوئی، آپ ﷺ نے جو بات یہاں ارشاد فرمائی ہے، اس کا پورا ایک پس منظر ہے جس کی قدرے وضاحت مذکورہ حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک اعرابی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ''اعرابی'' دیہات کے رہنے والے کو کہتے ہیں، اردو میں اعرابی کو بدو کہا جاتا ہے، دیہات کے بدو خواہ اُس زمانہ کے ہوں یا اس دور کے ان کے مزاج میں تھوڑی شدت اور سادگی ہوتی ہے اور وہ کھلے دل کے ہوتے ہیں، جو ان کے اندر ہوتا ہے وہی باہر ہوتا ہے، وہ کوئی چیز لگی لپٹی نہیں رکھتے، بلکہ کبھی کبھی سخت بات بھی کہہ جاتے ہیں، ان کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں فرق مراتب کا خیال کم ہوتا ہے، ان کے نزدیک سب برابر ہوتے ہیں، وہ سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایسے بدو حضرات حاضر ہوتے تھے، اور وہ آپ ﷺ سے بھی عام معاملہ کرتے تھے، اس لیے کہ انہیں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کس طرح ادب کا برتاؤ کرنا چاہیے، اسی لیے کبھی کبھی ان سے شان اقدس میں اس طرح تیز کلامی اور گفتگو کی تیزی ہو جایا کرتی تھی جو نامناسب بھی ہوتی تھی، چنانچہ قرآن مجید میں اس سے روکا گیا، لیکن ان دیہات والوں کی یہ کمزوری تھی کہ یہ کچھ جانتے ہی نہیں تھے، سادہ لوح لوگ تھے۔

اعرابیوں کے قصے

اس سلسلہ میں نبی ﷺ کے زمانہ کے بہت مشہور قصے ہیں کہ وہ کس کس طرح آکر آپ ﷺ سے سوال کرتے تھے، ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی بدو اپنی دعا میں یہ کہہ رہا تھا ہے: اے اللہ! میری اور محمد ﷺ کی مغفرت فرما اور کسی کی نہ فرما، ظاہر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی مغفرت وسیع ہے، مگر وہ اس کو محدود کر رہا ہے، اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک بدو مسجد نبوی میں پیشاب کرنے لگا، چونکہ وہ

www.abulhasanalinadwi.org

دیہاتی تھا اور کچھ جانتا نہیں تھا، اس لیے اس کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ یہ مسجد ہے، اس میں پیشاب نہیں کیا جاتا، لہٰذا جب صحابہ اس کے پیچھے دوڑے تو آپ ﷺ نے کہا: کچھ نہ کہو، ابھی اس کو کرنے دو، اگر ابھی اس کو جھٹکو گے یا ڈانٹو گے تو اس کا پیشاب رکے گا اور اس کو تکلیف ہوجائے گی، اس واقعہ پر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ آپ ﷺ کی شفقت غیر معمولی ہے، ایک آدمی مسجد نبوی میں پیشاب کر رہا ہے اور آپ ﷺ صحابہ سے منع کر رہے ہیں کہ ابھی کچھ نہ کہو، جب وہ پیشاب کر چکا تب آپ ﷺ نے اس کو بلا کر سمجھایا، اور ڈانٹا نہیں کہ تم کیسے بدسلیقہ پھوہڑ آدمی ہو، تم نے مسجد میں پیشاب کیسے کر دیا، تم کو آنے کی کیا ضرورت تھی، تم اپنے گھر ہی میں رہتے، آپ ﷺ نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا، بلکہ آپ ﷺ نے بہت ٹھنڈے انداز سے سمجھایا کہ مسجدیں اس کے لیے نہیں ہوتیں، ان کو پاک رہنا چاہیے، پیشاب کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے، آپ ﷺ نے بڑی محبت سے ان کو سمجھا دیا۔(۱)

آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں جو دیہاتی آتے تھے آپ ﷺ بھی اسی انداز سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے تھے، وہ آکر پکارتے تھے، اے محمد ﷺ! باہر آجایئے، ذرا کام ہے، ظاہر ہے عربی میں کچھ اور الفاظ ہوتے تھے لیکن انداز ایسا ہی ہوتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ بھی اسی انداز سے ان کا جواب بھی دیتے تھے، جس زور و طاقت سے وہ آواز دیتے تھے آپ ﷺ بھی اس سے زیادہ آواز سے بولتے تھے، اس میں بھی مصلحت ہوتی تھی، اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے کہ اپنی آواز کو اللہ کے رسول ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو، ورنہ اس کا خطرہ ہے کہ ایمان نہ جاتا رہے، اس لیے جب کوئی بدو زور سے پکارتا تھا تو آپ ﷺ اس سے زیادہ زور سے جواب دیتے تھے، تاکہ آپ کی آواز اس کی آواز سے زیادہ بلند ہوجائے، اور اس شخص کا نقصان نہ ہو، آپ ﷺ کا یہ عمل شفقت کے لیے تھا، تاکہ اس کا حرج نہ ہو، اس کے اعمال ضائع نہ ہوں، یہ آپ کی شفقت کی انتہا تھی۔

---

(۱)صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الرفق فی الأمر کله: ٦٠٢٥

www.abulhasanalinadwi.org

شفقت نبوی ﷺ

حضرت وحشیؓ جو آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے قتل کرنے والے ہیں، وہ جب آئے اور ایمان لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو سامنے آنے سے منع فرمادیا، اس تعلق سے لوگوں کے ذہنوں میں عجیب سی بات آتی ہے اور ایک خدشہ یا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کہا؛ بھائی تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تم سامنے آتے ہو تو مجھے چچا یاد آجاتے ہیں، جب کہ آپ ﷺ تو اس قدر شفیق، مہربان، پھر آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ جب وہ ایمان لے آیا تو سب گناہ دھل گئے، لیکن پھر بھی یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ تم سامنے نہ آیا کرو چچا یاد آجاتے ہیں، اس پر غور کیا جائے تو یہاں بھی وہی کمال شفقت کی بات ہے، آپ ﷺ نے یہ سوچا کہ ہوسکتا ہے کسی وقت میرے دل میں ایک چبھن سی آجائے کہ یہ میرے چچا کا قاتل ہے، اور میرے دل میں اگر چبھن آگئی تو اس کے لیے یہ مضر ہوجائے گا، گویا حضرت وحشی کو نقصان سے بچانے کے لیے، ان کے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے کمال شفقت کا یہ طریقہ اختیار فرمایا۔

سیرت میں اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں، بدوؤں کا بھی معاملہ ایسا ہی تھا کہ جب وہ آتے تھے تو آپ ﷺ ان کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتے تھے، ان میں بعض وہ بھی تھے جو ایمان والے نہیں ہوتے تھے، ان میں بعض منافق ہوتے تھے، اور ایمان اس لیے لاتے تھے، تاکہ ان کو کچھ مادی منفعت حاصل ہو، بسا اوقات وہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بڑی بدسلوکی کرتے تھے، یہاں تک واقعہ ہے کہ ایک دیہاتی شخص آیا جو کہ منافق سا تھا، آپ کی گردن میں اس نے چادر ڈالی اور اس کا پھندا بنایا اور چادر مروڑنا شروع کردیا، ظاہر ہے جب کوئی اتنا لپیٹے گا تو پھندا تنگ ہوگا، آپ ﷺ کے گردن مبارک پر اس کے نشانات پڑ گئے، لیکن اس کے باوجود آپ کی شفقت کا عالم یہ ہے کہ آپ کچھ بھی نہیں فرمارہے ہیں، اس نے کہا؛ اے محمد! جو اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

نے تمہیں دے رکھا ہے وہ مجھے دو، آپ ﷺ نے فرمایا؛ اس وقت میرے پاس نہیں ہے، اگر ہوتا تو میں رو کے نہیں رکھتا، میں تو جو کچھ ہوتا ہے وہ دے دیتا ہوں، معلوم ہوا عہد نبوی ﷺ میں دیہاتی لوگوں کے اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔

محبت کی خاصیت

اسی طرح ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک مخلص دیہاتی آیا اور اس نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک بات بتایئے؛ قیامت کب آئے گی؟ وہ دیہات کا رہنے والا سیدھا شخص تھا، اس نے سیدھا سا سوال کیا، جواباً آپ ﷺ نے بھی اس سے ویسا ہی سوال پوچھا کہ تم قیامت کا سوال تو کر رہے ہو لیکن یہ بتاؤ تم نے اس کی کیا تیاری کی ہے؟ وہ بھی عجیب وغریب اللہ کا بندہ تھا، اس نے کہا؛ تیاری تو نہیں ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ضرور ہے، یہ بات اس نے ایسی عجیب وغریب کہی جو واقعۃً اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے اس کے دل میں ڈالی، آپ ﷺ نے فرمایا؛ تم جس سے محبت کرتے ہو، جس سے تمہیں تعلق ہے، کل قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہوگے، اس حدیث سے معلوم ہوا جو محبّ ہے وہ محبوب کے ساتھ ہوگا، اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ محبت کرنے والے کو اپنے محبوب سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز میں اپنے محبوب کی نقل کرتا ہے، ہر چیز میں اس کی اتباع کرتا ہے، اس کی ہر ادا اچھی لگتی ہے، اس کا اٹھنا بیٹھنا اچھا لگتا ہے، اس کے کھانے پینے کے طریقے اچھے لگتے ہیں، اس کی ایک ایک ادا اچھی لگتی ہے، اور ظاہر ہے جب وہ ادائیں اس کو اچھی لگتی ہیں، جب وہ ان اداؤں پر فریفتہ ہوتا ہے تو وہ ان کو اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ غور کرتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کس طرح کھانا کھاتے تھے، ہم بھی ایسے ہی کھائیں گے، آپ جس طرح اٹھتے بیٹھتے تھے ہم بھی ویسے ہی اٹھیں گے بیٹھیں گے، آپ کا جو طریقہ زندگی تھا، ہم بھی ویسا ہی کریں گے، یعنی اس کو آپ ﷺ کی ایک ایک چیز اچھی لگے گی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی محبت کا عالم یہ تھا کہ انتہائی درجہ میں وہ

www.abulhasanalinadwi.org

آپ ﷺ کی اتباع کرتے تھے، انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی سفر کی سعادت حاصل ہوئی تھی، لہٰذا جب وہ مکہ سے مدینہ کا سفر کر رہے ہوتے تو جہاں جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے استنجاء کیا ہوتا، وہاں وہاں اپنے سفر میں ان کو استنجاء نہ لگا ہوتا تب بھی تھوڑی دیر جا کر بیٹھتے کہ یہاں ہمارے آقا ﷺ نے استنجا کیا تھا، ہمیں لگا ہو یا نہ لگا ہو لیکن وہ چیز ہمیں اچھی لگی ہے، ہم ان کی ایک ایک ادا پر قربان ہیں۔

محبّ اور محبوب کا تعلق

واقعہ یہ ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کی اداؤں پر فریفتہ ہوتا ہے، ایک ایک چیز اس کو ایسی محسوس ہوتی ہے کہ اس پر سو جان سے قربان ہو جائے، یہی محبت جب اللہ کے رسول ﷺ سے ہوگی تو اس کا لازمہ اور نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ویسی ہی چال چلے گا، اور پھر اس کا نتیجہ کیا نکلے گا، یقینی بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت میں اس نے جس سے محبت کی ہے اور جس کی چال چلی ہے، اسی کے ساتھ اس کا حشر فرمائیں گے، اور اس کی چھوٹی موٹی غلطیوں پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی، کہا جائے گا؛ یہ دنیا میں حقیقی محبت کرنے والا تھا، یقیناً اس سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، لیکن اس کو چھوڑ دو، یہ جس سے محبت کرتا تھا اور جس کی پیروی کرتا تھا اور جس کی ایک ایک ادا پر فریفتہ تھا، اس کو اسی کے ساتھ جانے دو، لہٰذا اس کا راستہ کھول دیا جائے گا، دنیا میں بھی اس کی بہت سی مثالیں ہم دیکھتے ہیں، اگر کوئی کسی کے ساتھ ہوتا ہے اور کہیں جاتا ہے، تو خواہ کتنی پہرہ داری ہو، کچھ بھی ہو، اگر ساتھ والا ساتھ ہے تو کہا جاتا ہے کہ ہاں یہ فلاں کے ساتھ والے ہیں، ان کو جانے دو، ان کو مت روکو، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص حاجی عبدالرزاق صاحبؒ نے ایک مرتبہ اپنا قصہ سنایا، وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے یہاں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گئے، اس وقت حضرت شیخ الحدیث بیمار تھے، چنانچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اندر بلایا گیا، لیکن حضرت شیخ نے اعلان کیا کہ علی میاں کے ساتھ جو آئے ہیں ان سب کو

www.abulhasanalinadwi.org

اندر آنے دو، حالانکہ اس وقت سب کے لیے پابندی تھی، لیکن اندر ہی سے یہ اعلان ہوا کہ جو بھی ساتھ آئے ہیں ان سب کو اندر آنے دو، اتفاق کی بات کہ ایک بزرگ دروازہ پر کھڑے تھے ان کو حاجی صاحب کے متعلق پتہ نہیں تھا، انہوں نے حاجی صاحب کو روک لیا، بعد میں فوراً اندر سے ایک آدمی آیا کہ عبدالرزاق کہاں ہیں اور ان کو اندر لے گیا۔

معلوم ہوا محبّ کا اپنے محبوب کے ساتھ رہنا، ساتھ چلنا، اس سے محبت رکھنا بہت بڑی چیز ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی وہ معاملہ کریں گے جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔

اقسامِ تعلق

تعلق دو قسم کا ہوتا ہے؛ ایک نسبی تعلق اور دوسرا نسبتی تعلق، ان میں سے ایک کا تذکرہ صراحۃً قرآن مجید میں ہے، لیکن دوسری چیز بھی اس میں شامل ہے، نسب اور نسبت کے تعلق کا آدمی کو لحاظ ہونا چاہیے، لیکن اگر کوئی آدمی اس کو بھول جائے اور اپنے کو بالکل دوسری دنیا کا سمجھے، دوسرے خاندان کا سمجھے، تب تو وہ نکال کر کنارہ لگا دیا جائے گا، لیکن اگر وہ اس کو اپنا سمجھ رہا ہے، اور اپنی مقدور بھر کوشش بھی کر رہا ہے کہ جو ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا ہم اسی پر چلیں گے، کیونکہ ہم ان کے چاہنے والے ہیں، ہم اللہ کے رسول ﷺ کے چاہنے والے ہیں، لہٰذا ہم ان کے طریقے پر چلیں گے، تو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے؛

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ﴾ (الطور: ۲۱)

(اور جو ایمان لائے اور ایمان میں ان کی اولاد نے بھی ان ہی کا راستہ اختیار کیا تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان ہی میں شامل کر دیں گے

www.abulhasanalinadwi.org

اوران کے کاموں میں ہم کچھ بھی کمی نہیں کریں گے)

یعنی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص برگزیدہ بندے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی قیامت میں کردیں گے، اوران کے چھوٹے موٹے کاموں کی پرواہ نہیں کی جائے گی، اگران سے کچھ غلطیاں ہوگئی ہیں، ان کی کچھ کوتاہیاں ہیں تو فرمایا گیا کہ ہم ان کو چھوڑ دیں گے، گویا نسب کا بھی ایک فائدہ ہے اور نسبت کا بھی فائدہ ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے نسبت رکھتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس نسبت کا بھی قیامت میں خیال فرمائیں گے، اس لیے کہ نسبت والا بھی محبت کرتا ہے اور نسب والا بھی محبت کرتا ہے، لیکن جب اس کی حقیقت فراموش ہوجائے، نہ محبت رہے نہ اطاعت رہے، نہ تعلق رہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ شخص الگ کردیا جائے گا۔

حقیقی محبت کی علامت

حدیث بالا میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں تم کو جس سے محبت ہے قیامت میں تمہارا ساتھ اسی کے ساتھ ہوگا، اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جو محبوب ہوتا ہے، محبّ اسی محبوب کی چال چلتا ہے، اسی کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اور کوئی ایسا کام ہی نہیں کرتا جس سے محبوب کے دل کو ٹھیس پہنچے، اگر اس کو واقعۃً سچی محبت ہے، اور اگر محض زبانی دعوے ہیں تو وہ الگ چیز ہے، یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ محض زبانی دعوں سے کام نہیں ہوتا، صرف کھوکھلے دعوے ہوں، اوران کے اندر کوئی حقیقت ہی نہ ہو، البتہ اگر حقیقت ہوتی ہے تو آدمی ایسا کوئی کام نہیں کرتا جس سے محبوب کو ٹھیس پہنچے، اس کے دل کو سخت چوٹ لگ جائے، وہ ایسا کبھی بھی نہیں کرتا، یہ الگ بات ہے کہ کچھ معمولی غلطیاں سرزد ہوجائیں، اللہ تعالیٰ ان غلطیوں پر انشاء اللہ پردہ ڈال دیں گے، ان کی ستاری فرمادیں گے، لیکن وہ کوئی بڑی غلطی نہیں کرے گا، اور اگر غلطی ہو بھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے گا، اور وہ فوراً توبہ کرلے گا، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ طریقہ جو ہم نے اختیار کرلیا یہ ہمارے محبوب کا طریقہ نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، اس کی طبیعت میں فوراً ایک بے چینی پیدا ہوجائے گی کہ یہ ہمارے محبوب کا طریقہ نہیں ہے، ہم آخر کدھر چلے گئے، ہمارا محبوب کچھ اور چاہتا ہے، اس لیے وہ فوراً رجوع ہوتا ہے، پلٹتا ہے، اور جو اس کا محبوب ہے اس کے راستہ پر آجاتا ہے۔

سیرت میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک صاحب تھے جن سے بہت غلطیاں ہوگئی تھیں یا ہوجاتی تھیں، ایک روز آپ ﷺ کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ فلاں شخص بڑا نالائق ہے، بہت ہی گناہگار قسم کا آدمی ہے، اس پر آپ ﷺ نے عجیب بات فرمائی، فرمایا: نہیں، اس کو کچھ مت کہو، اس کو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، جب کہ اس شخص کی بعض غلطیاں سخت تھیں، یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس نے شراب بھی پی لی تھی، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، گویا اس سے یہ بات واضح فرمادی کہ گرچہ آج اس سے غلطی ہوئی ہے، لیکن وہ جلد ہی تائب ہوجائے گا، اس لیے کہ جب اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے تو اس غلطی پر وہ قائم ہی نہیں رہ سکتا، اگر حقیقی محبت ہوتی ہے تو آدمی محبوب کے راستہ سے ہٹ نہیں سکتا، وہ مجبور ہوتا ہے کہ محبوب کے راستہ پر چلے، اس کے طریقے پر چلے، معلوم ہوا محبت ایک ایسی چیز ہے جو اگر پیدا ہوجاتی ہے تو آدمی کو صحیح راستہ پر لے آتی ہے، آدمی مجبور ہوکر صحیح راستہ پر آتا ہے، اس لیے کہ وہ اندر کی ایک آواز بن جاتی ہے، ایک تقاضا بن جاتا ہے کہ یہ راستہ ہمارے محبوب کا ہے، ہم اسی راستہ پر چلیں گے۔

صحابہ کرام کی محبت

جب آپ ﷺ نے مذکورہ اعرابی سے فرمایا: تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کروگے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے بہت زیادہ خوشی ہوئی، اس کی وجہ یہی محبت ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اس وضاحت سے قبل صحابہ کرام کو ایک صدمہ رہتا تھا، وہ سوچتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا نہایت بلند مقام ہے، آپ خاتم النبیین ہیں، نبیوں کے سردار ہیں، لہٰذا

www.abulhasanalinadwi.org

قیامت کے روز آپ کو جو مقام ملے گا، وہاں ہم کہاں ہوں گے، اور ہماری کہاں ملاقات ہوسکے گی، یہ باتیں سوچ سوچ کر جانثاران رسول ﷺ کڑھتے تھے، آپ ﷺ کی حیات میں تو دیدار پرانوار ہوتا رہتا ہے، جب چاہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے، لیکن ان کا خیال تھا کہ وہاں آخرت میں اس قدر تفاوت ہوگا تو ہم آپ ﷺ کا کیسے دیدار کریں گے، اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کیسے ہوگی، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے اصحاب کو اس قدر محبت تھی کہ یہی بات سوچ سوچ کر کڑھتے تھے، لیکن جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ تم دنیا میں جس سے محبت کرتے ہوگے، آخرت میں اسی کے ساتھ ہوگے تو ان کے دل کھل گئے، ان کا ایک پیچیدہ مسئلہ حل ہوگیا، وہ سوچتے تھے کہ وہاں بہت دوری ہوگی، وہاں کہاں بار بار دیدار نصیب ہوگا، لیکن جب آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی تو ان کو اس قدر خوشی ہوئی جس کی انتہاء نہیں، گویا اب ان کا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ نے آسان فرمادیا، اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی سوچا کہ ہمارے اعمال میں کوتاہیاں ہوتی ہیں، لیکن جب اللہ نے یہ فرمادیا تو ان شاء اللہ؛ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری یہ کوتاہیاں معاف کرے گا اور رسول ﷺ کا ساتھ حاصل ہوجائے گا، صحابہ کرام کو اس پر پورا شرح صدر تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ان کو سچی محبت ہے، ان کو پوری طرح اللہ کے رسول ﷺ سے تعلق ہے، اس لیے حضرت انسؓ نے مذکورہ روایت میں فرمایا کہ مجھے اللہ سے محبت ہے اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، ابوبکر وعمر سے محبت ہے، تو مجھے امید ہے کہ آخرت میں انہیں کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میرے اعمال ان کے جیسے نہیں ہیں، غور کا مقام ہے کہ ایک صحابی رسول فرمارہے ہیں؛ میرے اعمال ان کے جیسے نہیں ہیں۔

حضرات شیخین کا مقام

ظاہر ہے حضرت صدیق اکبرؓ کا جو مقام ہے وہ ان کا مقام ہے، حضرت عمر کا جو مقام ہے وہ ان کا مقام ہے، دوسرے صحابہ کا جو مقام ہے وہ ان کا مقام ہے، حضرت

www.abulhasanalinadwi.org

صدیق اکبرؓ کو اللہ نے جو اونچا مقام دیا ہے، وہ ایسا ہے کہ اگر ان کے اعمال ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں اور ساری امت کے اعمال ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں تب بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پلہ جھک جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا اور اتنا اونچا ایمان عطا فرمایا، خیر کے کاموں میں حضرت عمرؓ کا ہمیشہ ان سے مقابلہ ہوتا تھا لیکن ہمیشہ وہ یہی کہتے تھے کہ میں صدیق اکبر سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

ایک مرتبہ دربار رسالت میں چندہ کا اعلان ہوا، آپ ﷺ نے غزوہ میں چندہ کی اپیل فرمائی، حضرت عمرؓ اپنے گھر کا آدھا اثاثہ لے کر آئے اور یہ سوچ کر آئے کہ آج پالا مار دیا، آج میں اتنا لے کر آ گیا کہ شاید ابوبکر مجھ سے آگے نہیں بڑھ پائیں گے، کچھ دیر بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تشریف لے آئے، آپ کا سامان بہت تھوڑا تھا، شاید حضرت عمرؓ کو سامان دیکھ کر یہ خیال ہوا ہو کہ آج ہمارا ہی معاملہ ٹھیک ہے، لیکن جب آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ تم نے اپنے گھر میں کیا چھوڑا؟ تو انہوں نے فرمایا؛ گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑا ہے، جو کچھ تھا وہ آپ کی خدمت میں لے کر آ گیا، اس پر حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ میں ابوبکر سے آگے کبھی نہیں بڑھ سکتا، ان کو اللہ نے جو ایمان و مقام دیا ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے، آپ ﷺ نے بھی ان کا مال قبول فرمایا، ورنہ آپ کا معمول یہ تھا کہ اگر کوئی پورا اثاثہ لے آئے تو آپ قبول نہیں فرماتے تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ ایسی صورت میں یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ کہیں کسی شخص کو بعد میں یہ خیال نہ ہو کہ ہم نے گھر والوں کے لیے تو چھوڑا ہی نہیں، اب گھر کا خرچ کیسے چلے گا، لیکن صدیق اکبرؓ پر آپ ﷺ کو پورا اطمینان تھا کہ دینے کے بعد بھی ان کو کبھی احساس نہیں ہوگا کہ ہم نے اپنا سب کچھ دے دیا، اب ہمارے گھر کا خرچ کیسے چلے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جو مقام صدیقیت ہے وہ اتنا بلند ہے کہ وہ ایسی چیزوں سے بہت فائق تھے، اسی لیے آپ ﷺ ان کی ہر چیز قبول فرما لیتے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

معلوم ہوا اعمال کے اعتبار سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی اس طرح کا تفاوت ہے، اسی لیے حضرت انسؓ مذکورہ حدیث میں جو بات فرمارہے ہیں وہ اسی بنیاد پر کہ مجھے ابوبکر وعمر سے محبت ہے، چاہے میرے اعمال ان جیسے نہیں، لیکن امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں میرا حشر ان کے ساتھ فرمائے گا، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابہ سے محبت بھی ہمارے لیے ایمان کا ایک حصہ ہے، اور پھر یہ کہ اس سے ہمارے لیے ترقی درجات ہے، اگر ہمیں اللہ تعالیٰ قیامت میں صحابہ کے ساتھ شامل فرمادے اور ان کے مقام کے قریب پہنچادے، ان کی گرد تک بھی پہنچادے تو ہمارے لیے سعادت کی بات ہے، حاصل بحث یہ کہ ایک صاحب ایمان کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت ہو، اس کے رسول ﷺ سے محبت ہو اور ان سے نسبت رکھنے والوں سے محبت ہو، پھر جس کی اللہ ورسول سے جتنی طاقتور نسبت وتعلق ہے، اس سے اتنی ہی زیادہ محبت ہو، اور ظاہر ہے کہ صحابہ کو جو نسبت حاصل تھی، ان کو آپ ﷺ سے جو تعلق تھا وہ ایسا تھا کہ کوئی اس کا پاسنگ نہیں ہوسکتا، لہٰذا ہر صاحب ایمان کو صحابہ سے سب سے بڑھ کر محبت ہو، پھر اولیاء اللہ سے محبت ہو، یہ ساری چیزیں گویا ہمارے لیے نجات کا ایک ذریعہ ہیں، دنیا میں بھی انشاء اللہ محبت کا فائدہ یہ ہوگا کہ آدمی ان کے جیسے اعمال کرنے کی کوشش کرے گا، اور قیامت میں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اہل ایمان کو انشاء اللہ ان کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا، اور انہیں کے ساتھ انشاء اللہ ہمارا حشر ہوگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فیضان محبت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تَرٰى رَجُلاً أَحَبَّ قَوْماً وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (اَلْمُؤْمِنُ) مَعَ مَنْ أَحَبَّ.(۱)

ترجمہ :-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے لوگوں سے محبت کی، لیکن ان کے مرتبہ کا نہیں ہوا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مؤمن جس کو چاہتا ہے، اسی کے ساتھ ہوگا۔

حدیث شریف میں کہا گیا کہ کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہو لیکن اس تک نہ پہنچتا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال اس کے جیسے نہ ہوں، البتہ وہ بیچارہ یہ کوشش ضرور کرتا ہو کہ میرے اعمال بھی میرے محبوب کے اعمال کی طرح ہو جائیں، لیکن جیسے اعمال ان لوگوں کے ہیں اور جو بلند طریقہ ان لوگوں کا ہے، وہاں تک وہ نہیں پہنچ پاتا، تو اس کا کیا ہوگا؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا؛ مؤمن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی، گویا اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک اصول بیان فرمادیا، جس کی روشنی میں ہر صاحب ایمان اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ اس کا

(۱)صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب المرء مع من أحب: ۲٦٤٠

www.abulhasanalinadwi.org

حشر کس کے ساتھ ہونے والا ہے اور اس کو کس سے محبت ہے؟

مسلم نوجوانوں کی محبت کا محور

موجودہ دور میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں، خاص طور پر نوجوانوں کے جو حالات ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ بہت خطرہ میں ہیں، آج ہماری محبت کا جو محور ہونا چاہیے وہ محور اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے، ہمیں جس طرح اللہ سے محبت ہونی چاہیے، اس کے رسول ﷺ سے محبت ہونی چاہیے، اولیاء اللہ سے محبت ہونی چاہیے، بجائے اس کے ہمیں خدا جانے کن کن لوگوں سے محبت ہو جاتی ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دماغ دوسری چیزوں میں لگا رہتا ہے، ہمارا دماغ ٹیلی ویژن میں لگا ہے، کھیلوں میں لگا ہے، آج کل یہ سہولتیں بھی بہت ہوگئی ہیں، دنیا کے کسی خطہ میں کوئی میچ ہو وہ ٹیلی کاسٹ کیا جاتا ہے، اور آدمی اسی میں مست ہو جاتا ہے، اور اسی میں اس کا دماغ کام کرتا رہتا ہے، اس کے علاوہ کھیلوں کی نہ جانے کتنی قسمیں ہیں، پھر کھیلوں سے اور آگے جائیں تو کتنے تماشے ہیں جن کا تذکرہ بھی مناسب نہیں، وہ سب چلتے رہتے ہیں، جن کی بنیاد پر آدمی کے دل کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے بجائے ایسے ایسے لوگوں کی محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کا نام لینا بھی مناسب نہیں، اس لیے اس سلسلہ میں ہر مسلمان کو یہ فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی محبت کس سے ہونی چاہیے۔

احتساب نفس کی ضرورت

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صراحت فرمادی کہ دنیا میں انسان کو جس سے محبت ہوگی قیامت میں اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا، لہٰذا یہ جائزہ لینے کی چیز ہے کہ ہم کو کس سے محبت ہے، ہمیں اللہ و رسول ﷺ سے محبت ہے؟ علماء سے محبت ہے؟ اللہ والوں سے محبت ہے؟ اس سے بڑھ کر صحابہ سے محبت ہے؟ یا

www.abulhasanalinadwi.org

خدانخواستہ ایسے لوگوں سے محبت ہے جن کا نام لینا بھی مناسب نہیں، افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارے لباس سے وہی محبت ٹپک رہی ہے، ہم وہی لباس پہنتے ہیں، وہی طور طریقہ اختیار کرتے ہیں، ہمارے بالوں کا وہی کٹ ہوتا ہے، ہمارا وہی چہرہ مہرہ ہوتا ہے، یہ ساری چیزیں آخر کیوں ہیں؟ ہمارے اندر یہ تبدیلی کیوں آرہی ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے دل میں دوسروں کی محبتیں بٹھائی ہیں، ایسے لوگوں کی محبتیں بٹھائیں جو ہماری ہلاکت کا ذریعہ بنتے ہیں، وہ کبھی بھی ہماری نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتے، اس روشنی میں ہم خود غور کر سکتے ہیں کہ ہمارا جو طریقہ ہے وہ طریقہ کن لوگوں سے مشابہت رکھتا ہے، جن لوگوں سے آدمی کو تعلق ہوتا ہے اور جن سے محبت ہوتی ہے، آدمی انہیں کا طریقہ اختیار کرتا ہے، انہیں کی تہذیب اختیار کرتا ہے، انہیں کا کلچر اختیار کرتا ہے، انہیں کا طور طریق اختیار کرتا ہے، اگر آج مسلم آبادیوں کا سروے کیا جائے تو بلا مبالغہ پچانوے فیصد سے زیادہ جو ہمارے مسلمان ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ وہ غیروں کے طریقوں پر ہیں، نہ ان کا لباس صحیح ہے، نہ ان کا چہرہ مہرہ صحیح ہے، نہ ان کا کلچر درست ہے، بالکل غیروں کے طریقوں کو اختیار کر رکھا ہے، اور پھر یہ دعوی بھی ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔

اگر اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے تو اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں، محبت کے تقاضے ہوتے ہیں، اگر محبت حقیقت میں ہے، دل کے اندر محبت ہے تو اس محبت کے تقاضے ہوتے ہیں، اگر محبت حقیقی ہے تو آدمی اپنے محبوب کے راستہ پر چلے گا، کسی دوسرے کو نہیں دیکھے گا، اس کی نگاہ کہیں اور نہیں جائے گی، اس لیے کہ چاہنے والے کی نگاہ اسی پر ہوتی ہے جس کو وہ چاہتا ہے، جس کی محبت دل کی گہرائیوں میں ہوتی ہے، وہاں سے اس کی نگاہ نہیں ہٹتی، لیکن ہماری نگاہیں خدا جانے کہاں کہاں جاتی ہیں اور کہاں کہاں بھٹکتی پھرتی ہیں اور نگاہوں کے راستہ سے ہمارے دلوں میں کیسے کیسے لوگوں کی محبتیں داخل ہو جاتی ہیں، اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا، بلکہ ہماری چال ڈھال

www.abulhasanalinadwi.org

اورطورطریق سے ہمارے دیکھنے والوں کو پتہ چلتا ہے، آج مسلم نوجوانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ چلنے کا وہی انداز اختیار کیا جاتا ہے، لباس کا وہی کٹ اختیار کیا جاتا ہے، اگر انہوں پھٹی پینٹ پہن لی تو وہ بھی فیشن بن گیا، اتفاق سے ایک مرتبہ میں نے خود جہاز میں دیکھا کہ ایک آدمی پینٹ پہنے ہے اور اس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں، چیتھڑے لٹک رہے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ فیشن ہے، ان کے کسی محبوب نے ایسی ہی پینٹ پہن لی تھی، اس لیے وہ فیشن بن گیا۔

محبت کے مظاہر

مذکورہ حدیث کی روشنی میں اگر ہم اپنا جائزہ لیں، تو یہ مظاہر کسی اور ہی چیز کی غمازی کررہے ہیں، ہمیں کس سے محبت ہے یہ ہم خود اندازہ کرسکتے ہیں، ہمارا لباس بتاسکتا ہے، ہمارا کلچر اور طور وطریق بتاسکتا ہے، لمحہ بھر کے لیے مذکورہ حدیث کی بشارت پر غور کریں اور اپنے طرز زندگی پر نگاہ ڈالیں تو ہم کسی درجہ میں بھی اس کے مستحق نظر نہیں آتے، ہم نے بالکل دوسروں کا طریقہ اختیار کررکھا ہے، اس لیے اس ہر ایک کو اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اپنے آپ کو بہت زیادہ ٹٹولنے کی ضرورت ہے، اگر ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے سچی محبت ہے تو ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی، جب محبت ہوتی ہے تو آدمی کو ایک ایک ادا سے پیار ہوتا ہے، پھر یہ سوچنا کہ فلاں کیا کہیں گے، فلاں کیا کہیں گے، اور آفس میں کیا تبصرہ ہوگا، اور بازاروں میں کیا تبصرہ کیا جائے گا، محبت کے اندر کھوٹ کی علامت ہے، جب انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو وہ کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرتا، دنیا کی جھوٹی محبتیں اس کی اچھی مثال ہیں، اگر آدمی کو کسی سے عشق ہوجاتا ہے تو وہ اس کا دیوانہ بن جاتا ہے، اگر کوئی اس سے کہتا بھی ہے تو کہتا ہے کہ جب محبت ہے تو کہنے سننے سے ہم پر اثر نہیں ہوگا، محبت ہے تو ہے۔

ایک ظاہری محبت ہوتی ہے، جس کو ہم ''قشر'' کہہ سکتے ہیں، یعنی چھلکے والی محبت،

www.abulhasanalinadwi.org

اس میں مغز نہیں ہوتا، صرف چھلکے والی محبت ہوتی ہے، صرف چمڑی والی محبت ہوتی ہے، جب اس چھلکے والی محبت کا عالم یہ ہے کہ اس سے کوئی کچھ کہتا ہے تو کہا کرے، اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، تو اگر واقعۃً دل کی محبت ہو اور سچی محبت ہو، اس کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ آفس میں کیا کہا جائے گا اور فلاں جگہ کیا کہا جائے گا یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ صرف دعوائے محبت ہے لیکن حقیقۃً محبت نہیں ہے، لہٰذا فیصلہ خود ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہمارا طریقہ کیا ہے، اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ واقعۃً ہمیں کس سے محبت ہے، آدمی جس سے محبت کرتا ہے اس کی چال چلتا ہے، اس کی بات مانتا ہے، اس کی ایک ایک ادا پر اور اس کی ایک ایک بات پر سو جان سے قربان ہوتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا کہا ہوا ہے، بس میرے لیے حرف آخر ہے، ہمیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں، اور جن لوگوں کو واقعۃً محبت ہوتی ہے ان کا حال یہی ہوتا ہے، جن لوگوں کو اللہ والوں سے محبت ہوتی ہے، ان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ کوئی بات ان کی زبان سے نکل جائے وہ لگتا ہے کہ اپنی جان نچھاور کر دیں گے، قربان ہونے کو تیار ہو جاتے ہیں، درحقیقت یہ سب محبت کے تقاضے ہوتے ہیں، ورنہ آدمی اگر صرف زبانی بات کر رہا ہے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بات زبانی ہے عمل کچھ اور ہے، دل میں کچھ اور ہے، گویا یہ ایک طرح کا نفاق ہے، ہم محبت کا دعویٰ کر رہے ہیں لیکن حقیقۃً دل کے نہاں خانوں میں محبت نہیں ہے۔

حقیقی محبت کا پیغام

اس روایت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ محبت ہے تو آدمی اسی محبوب کی پیروی کرتا ہے، اس کی روشنی میں ہم سب اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہماری محبت کس سے ہے اور ہمارا طریقہ کیا ہے، اگر ہمارا طریقہ سنت کے مطابق ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا جو راستہ ہے، ہم اس راستہ پر چل رہے ہیں تو یہ ایک علامت ہے کہ واقعۃً ہم کو اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو گویا ہم خطرہ میں ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

ہمیں اپنے بارے میں بہت زیادہ سوچنے کی ضرورت ہے، کبھی کبھار کی غلطی الگ چیز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو معاف فرمائے گا اور کوئی بڑا گناہ بھی ممکن ہے ہوجائے، کیونکہ انسان تو انسان ہے، لیکن اگر بڑا گناہ ہوجائے گا تو آدمی بے چین ہوجائے گا، سوچے گا کہ اس سے ہمارے محبوب کو تکلیف پہنچ رہی ہے، ہم اس پر قائم نہیں رہ سکتے، لیکن کسی گناہ پر مسلسل باقی رہنا، اس پر مستقل قائم رہنا، اور پھر یہ اطمینان رکھنا کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا، اس لیے ہمیں اپنے بارے میں خاص طور پر جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہماری زندگی صحیح راستہ پر ڈال دے اور آخرت میں تو بلاشبہ بڑی بشارت ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس سے بڑی کون سی بشارت ہوگی، قیامت کے روز ہمارا حشر اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو، آپ کے ساتھ ہمیں اٹھایا جائے، اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہوسکتی، لیکن یہ نعمت جبھی مل سکتی ہے، جب ہماری محبت حقیقی ہو، اور حقیقی محبت کی علامت یہ ہے کہ ہماری زندگی محبوب کے طریقے کے مطابق ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

اولیاء اللہ سے دشمنی کا وبال

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ قَالَ: مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ الیَّ عَبْدٌ بِشَیْءٍ أَحَبُّ الیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِیْ يَتَقَرَّبُ الیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهٗ، فَاذَا أَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِیْ يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِیْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِیْ يَمْشِیْ بِهَا، وَانْ سَأَلَنِیْ أَعْطَيْتُهٗ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِيْذَنَّهٗ.(۱)

ترجمہ :-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو میرے دوست (ولی) سے دشمنی رکھے گا، میرا اس سے اعلان جنگ ہے، میرے بندوں کا فرائض سے نزدیکی (قرب) حاصل کرنا جس قدر مجھے محبوب ہے اس قدر کسی نیکی سے نزدیکی مجھ کو محبوب نہیں، میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر

(۱)صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع: ٦٥٠٢

www.abulhasanalinadwi.org

وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کس طرح پیدا ہوتی ہے، مذکورہ حدیث میں اس کی ایک شکل بیان کی گئی ہے، آدمی جب عمل کے اندر گہرائی پیدا کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے قرب حاصل کرتا ہے، تو اس قرب کے نتیجہ میں بھی محبت پیدا ہوتی ہے، اور عمل سے جتنی زیادہ دوری ہوتی ہے، اسی اعتبار سے آدمی محبت سے بھی دور ہوتا ہے، محبت پیدا کرنے کی جو بہت ساری شکلیں ہیں، ان میں ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی عمل کی گہرائی تک جائے، انسان کے اندر جتنا زیادہ عمل کا اہتمام ہوگا اتنا ہی زیادہ قرب پیدا ہوگا، اور جتنا زیادہ قرب پیدا ہوگا، اتنی ہی زیادہ محبت پیدا ہوگی۔

خدا کا ولی کون؟

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے دشمنی کرنے پر اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ ہے، خدا کا یہ ''ولی'' کون ہے؟ اس سلسلہ میں بہت سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، کرامتیں دکھائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، پانی پر تو مشرک بھی چل سکتا ہے، ہوا پر مشرک بھی اڑ سکتا ہے، جس کو آج کل ہم لوگ ''کرامت'' کہتے ہیں، اگر وہ خارق عادت چیز ایمان والے کی طرف سے پیش آرہی ہے، تو اس کو ''کرامت'' جائے گا، لیکن اگر کسی ایسے شخص کی طرف سے پیش آئیں جو ایمان والا نہیں ہے، یا ایمان والا ہے لیکن اس کے اعمال صحیح نہیں ہیں، تو اس کو کرامت نہیں ''استدراج'' کہیں گے، جس کے معنی ہیں ڈھیل دینا، اللہ تعالیٰ سب کو ڈھیل دیتا ہے، جو بھی مشقت ومحنت کرے گا، اللہ تعالیٰ یہ ساری چیزیں اس کو بھی دے دیں گے، اور وہ پانی پر چلنے لگے گا، اور ہوا میں اڑنے بھی لگے گا، اور آپ کو یہ چیزیں دکھنے بھی لگیں گی، اس لیے یہ باتیں کسی کے ولی ہونے

www.abulhasanalinadwi.org

کی علامت نہیں ہے، اللہ کے ولی ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ سنت پر چلنے والا ہو، حضور اقدس ﷺ کے طریقہ پر چلنے والا ہو، اور چار چیزوں میں بہت پختہ ہو؛ ۱- عقیدۂ توحید مضبوط ہو، ۲- اخلاص کی کسوٹی پر پوری طرح اترتا ہو، ۳- کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے والا ہو، ۴- اللہ ورسول ﷺ کی حقیقی محبت ہو، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، یہ چیزیں جتنی زیادہ پیدا ہوں گی، اتنا ہی آدمی اللہ تعالیٰ سے قریب ہوگا اور جتنا اللہ سے قریب ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ اللہ کا بڑا ولی بنے گا، اور اس کی زندگی سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

ولی کی دوسری علامت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آئے، اس کے پاس بیٹھ کر آخرت یاد آئے، اس کے پاس بیٹھ کر موت یاد آئے، اور موت کی تیاری کا جذبہ پیدا ہو، اور اوپر جو چار باتیں بیان کی گئی ہیں، وہ چاروں صفات اس کے اندر پیدا ہوں، جس کی صحبت میں یہ فوائد حاصل ہوتے ہوں، حقیقت میں وہ اللہ کا ولی ہے۔

اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا ولی بننے کا نسخہ نہایت سہل ہے، اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ خاص لوگوں کے لیے ہی ہے، وہ محنت کریں گے تو اللہ کے ولی بن جائیں گے، اور ہم محنت کریں گے تو نہیں بنیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی بھی ایمان والا شخص مذکورہ چار لائنوں پر محنت کرے گا، وہ اللہ کا ولی بن سکتا ہے، اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو ولی بننے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے لیے محنت کرنی چاہیے، اور جہاں تک اللہ کی توفیق شامل حال ہو، آگے بڑھنے کی فکر کرنی چاہیے۔

اعلان جنگ کی حقیقت

مذکورہ حدیث میں ولی سے دشمنی پر اللہ کا اعلان جنگ ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے ولی ہیں، اولیاء اللہ ہیں، جن کی زندگی اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا نمونہ ہے، وہ لوگ اللہ سے قریب ہیں، اور ظاہر بات ہے جو اللہ سے قریب ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور جو اللہ کا دوست ہے اس سے اگر کوئی بھی دشمنی کرے گا تو

www.abulhasanalinadwi.org

یہ طے بات ہے کہ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے، لہٰذا جو اللہ کے دوستوں سے دشمنی کرے گا، گویا وہ اللہ سے دشمنی کرر ہا ہے، اور جو اللہ سے دشمنی کرے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو کہاں پہنچائیں گے؟ یہ سوچنے کا مقام ہے، اس لیے یہ بہت ہی احتیاط اور سوچنے کی چیز ہے، بعض مرتبہ اس سلسلہ میں بھی ہم سے بہت غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگوں کے مزاج میں نقد ہوتا ہے، اور وہ اس کو ایک فن سمجھتے ہیں، وہ اس کو اپنے لیے ترقی کی معراج سمجھتے ہیں اور کسی کو نہیں چھوڑتے ہیں، کوئی بھی ان کے سامنے آجائے، ایسے لوگ سامنے والے کے لیے تنقید یا اور آگے بڑھ کر تنقیص کا پہلو اختیار کر لیتے ہیں، اس حدیث کی روشنی میں اس قسم کے لوگوں کو سمجھنا چاہیے، اگر وہ اولیاء اللہ کے ساتھ یہ عمل کرر ہے ہیں، ہوسکتا ہے کبھی ان اولیاء اللہ سے رائے کی غلطی ہوجائے، یا ہوسکتا ہے کہ عمل کی غلطی ہوجائے، وہ معصوم نہیں ہیں، معصوم صرف نبی ہوتا ہے، اللہ نے اولیاء کو معصوم نہیں بنایا، اس بات کا امکان ہے ان سے غلطیاں ہوسکتی ہیں، لیکن ان کی غلطیوں پر گرفت ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے، اگر ان کی غلطیوں پر ہر شخص گرفت کرے گا، تو چکر میں پڑ جائے گا، ایک بڑی غلطی ہوتی ہے، اس پر ہر آدمی گرفت کرے گا، عام طور پر اس طرح کی بڑی غلطی اولیاء اللہ سے نہیں ہوتی، کوئی اللہ کا ولی یہ نہیں کہے گا کہ فجر کی نماز تین رکعت پڑھ لو، اگر کوئی کہہ رہا ہے تو وہ جھوٹا ہے ولی نہیں ہے، وہ جھوٹا اور مکار پیر ہے، جو دھوکہ دینے کے لیے بیٹھا ہے، وہ ہرگز ہرگز ولی نہیں ہوسکتا، ولی وہ ہے جس سے سنتوں کے مطابق اعمال کا صدور ہورہا ہے، لیکن کبھی ممکن ہے کہ کوئی غلطی ہوجائے، اب اگر کوئی شخص اس غلطی کو اچھالے، اس غلطی کے بارے میں خوش ہو اور کہے کہ آج ولی صاحب پھنسے ہیں، آج ان کی پگڑی اچھالی جائے گی، اگر وہ اس طرح کسی کی پگڑی اچھالے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی جو گت بننی ہے وہ بنے گی، وہ اللہ کے وبال سے بچ نہیں سکتا، اس لیے اس سلسلہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تبصرہ بازی اور غیبت کا وبال

اللہ والوں کی تحریروں میں کیڑے نکالنا، ان کے بارے میں بے جا تبصرے کرنا، ان کو مجلسوں کا موضوع بنانا سخت خطرہ کی بات ہے، حدیث میں یہاں تک کہا گیا کہ اپنے کسی بھائی کی غیبت مت کرو، غیبت کا مطلب ہے کسی کے پیچھے کسی کی ایسی بات کا تذکرہ کہ جو اس کے لیے عیب ہو اور وہ چیز اس کے اندر موجود ہو، کیونکہ اس طرز عمل سے اس شخص کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، اور آپ بے جا مجلسوں میں تذکرہ کر رہے ہیں، اس لیے آپ کو بھی کوئی ثواب حاصل نہیں ہو رہا ہے، اگر آپ اس کے ساتھ واقعۃً خیر خواہی کرنا چاہتے تھے تو آپ تنہائی میں اس کو نصیحت کرتے، اس کی فہمائش کرتے، اس کو بتاتے کہ آپ کی یہ غلطی نظر آرہی ہے، آپ اس کی اصلاح کرلیں، یہ ایک کارآمد طریقہ تھا، لیکن آپ اس کی حرکت کو مجلسوں کا موضوع بنا رہے ہیں تو یہ غیبت ہے اور سخت گناہ ہے، قرآن مجید میں اس کے بارے میں سخت کلمات ہیں، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک عام انسان کے متعلق یہ حکم ہے تو اگر کوئی شخص اولیاء اللہ کی غیبت کر رہا ہے، جو اللہ کے دوست ہیں، ان کے بارے میں بیٹھ کر تبصرے کر رہا ہے، تب تو ستم بالائے ستم ہے، پھر مسئلہ صرف غیبت کا نہیں رہ گیا، بلکہ وہ مسئلہ اللہ کے ولی سے دشمنی مول لینے کا بھی بن گیا، اس لیے ان کی تحریروں میں کیڑے نکالنا، ان کی زندگی میں کیڑے نکالنا، اگر کبھی کوئی غلطی دور سے نظر آگئی بس اس کو لے کر بیٹھ جانا سخت گناہ کی بات ہے، بلکہ سخت وبال کی بات ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان حضرات کا معاملہ عجیب نرالا ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے تھے کہ اللہ والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ چت بھی ان کی پٹ بھی ان کی، اگر وہ کبھی الٹا کہہ دیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کو سیدھا کر دیتا ہے، اس لیے ان کی شان میں گستاخی نہ کی جائے۔

انسانی طبیعت

انسانوں میں بھی یہ طبعی بات ہے کہ اگر کوئی کسی کے دوست کو برا بھلا کہہ دے یا

www.abulhasanalinadwi.org

مار دے یا چھیڑ خوانی کرے تو اس کے دوست کے اندر ایک حمیت پیدا ہو جاتی ہے، اسے غصہ آتا ہے، گویا آدمی کے اندر حمیت پیدا ہو جاتی ہے کہ فلاں ہمارا دوست تھا، اس کی طرف فلاں نے کیسے آنکھ اٹھا کر دیکھا، میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا اگر اس نے میرے دوست کی طرف آنکھیں کھول کر دیکھا یا اس کو بری نظر سے دیکھا، ٹھیک اسی طرح اگر ہم خالق کائنات کی غیرت وحمیت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کا معاملہ تو انسانوں سے کہیں بڑھ کر ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوست کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا، اگر کوئی اس کے دوست کے ساتھ غلط معاملہ کرے گا اور اس کی شان میں گستاخیاں کرے گا تو (نعوذ باللہ) اس کو مزا آئے گا؟ ہرگز نہیں۔

عصر حاضر کا فیشن

مفاد پرستی کے اس دور میں ایک یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے، بلکہ ایک فیشن بن گیا ہے کہ لوگ کسی پر تبصرے کرتے ہیں، اور خاص طور پر جو بے چارے کمزور حال اور غریب لوگ ہیں، ان پر طعنے کسے جاتے ہیں اور تفریح لینے والے اس سے خوش ہوتے ہیں، جب کہ ان کمزور لوگوں کو اللہ نے اونچا مقام دیا ہے، وہ نمازوں کا اہتمام کرنے والے ہیں، ذکر واذکار کا اہتمام کرنے والے ہیں، سچے معاملات رکھنے والے ہیں، اپنی زبان کے بھی سچے ہیں، اپنے دل کے بھی سچے ہیں، اپنے اعمال کے بھی سچے ہیں، لیکن بے چارے ظاہری اعتبار سے کمزور اور پریشان حال نظر آتے ہیں، اس لیے ان کو دیکھ کر ادنیٰ شخص بھی کوئی نہ کوئی جملہ کہہ دیتا ہے، کچھ نہ کچھ تبصرہ کر دیتا ہے، ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بڑی سخت بات ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ کتنے ایسے پراگندہ حال لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ نے خاص بلند مقام دیا ہوتا ہے، اگر وہ قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھے، تو ظاہر ہے جب اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کا اتنا خیال ہے، اور ہم انہیں کے متعلق کوئی بات کہہ دیں، کوئی تبصرہ کر دیں تو یہ سخت بات ہوگی، ایسے لوگ جو بے چارے کمزور حال ہیں، لیکن ایمان والے لوگ ہیں، سچا ایمان

www.abulhasanalinadwi.org

رکھنے والے ہیں، ان کا بہت زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے، اور اسی طرح ہمارے جو بزرگان دین ہیں، جن کو اللہ نے اونچا مقام دیا ہے، سنتوں پر چلنے والے ہیں، سچی زندگی اختیار کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں، جن کی زبانیں سچی ہیں، جن کے بارے میں قرآنی حکم ہے: ﴿کُونُوا مَعَ الصَّادِقِیْن﴾ یعنی سچوں کے ساتھ رہو، گویا ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جارہا ہے، اب ایسے لوگوں سے کبھی ہوسکتا ہے کوئی غلطی ہوجائے، تو اس غلطی کو آدمی اپنی مجلسوں کا موضوع نہ بنائے، اس پر تبصرہ نہ کرے، کیونکہ پھر یہ چیز اس کے لیے وبال بنے گی اور اس کو سخت نقصان پہنچے گا۔

ولایت کا راز

مذکورہ حدیث میں اللہ کے ولی سے اعلان جنگ کے ساتھ کوئی انسان اللہ کا ولی کیسے بنتا ہے، اس کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے، یہ بتایا گیا ہے کہ بندہ جس چیز سے سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے، وہ فرائض ہیں، فرائض سے سب سے زیادہ بنیادی طور پر بندہ کو اللہ سے قرب حاصل ہوتا ہے، فرائض وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لازم کیا ہے، فرض نماز ہے، فرض روزے ہیں، معاملات واجب ہیں، ماں کا حق ہے، باپ کا حق ہے، پڑوسی کا حق ہے، غرض کہ جن چیزوں کو بھی انسان پر لازم کیا گیا ہے وہ ساری چیزیں فرائض میں شامل ہیں، اور قرب الٰہی کی یہ سب سے پہلی بنیاد ہے، اگر یہ بنیاد حاصل نہیں ہوگی تو پھر انسان کچھ بھی کرے لیکن اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے کہ یہ سب سے پہلا مرحلہ ہے، بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ جو قریب ہوتا ہے وہ فرائض کے ذریعہ ہی سے ہوتا ہے، اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے لازم کی ہیں، ان کے ذریعہ سے قریب ہوتا ہے، اور اس کے بعد پھر نوافل کا مرحلہ آتا ہے، لیکن یہ بھی ہمارے یہاں ایک عجیب مرض ہے، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو جتنی سنتیں اور نوافل ہیں سب پڑھیں گے، لیکن اگر نہیں پڑھیں گے تو فرض بھی نہیں پڑھیں گے، اگر ان سے کہو کہ نماز کا

www.abulhasanalinadwi.org

وقت ہے، نماز کے لیے چلو، تو ان کا جواب ہوگا کہ ابھی فرصت نہیں ہے، اس میں ایک بنیادی چیز یہی ہے فرصت اس لیے نہیں ہے کہ عشاء میں سترہ رکعات پڑھنی ہوں گی، ظاہر ہے ایسی صورت میں ہر دن فرصت کہاں؟؟ ایسے لوگوں کو سمجھانا چاہیے کہ سترہ رکعات پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، چار رکعتیں فرض ہیں اور دو سنت مؤکدہ ہیں، پھر تین وتر ہیں، جب فرصت نہ ہو تو اصل نماز تمہارے لیے کافی ہے، باقی کو چھوڑ دو اگر تم نہیں پڑھ سکتے، لیکن اگر نفل کے چکر میں فرض نماز بھی چھوڑ دی تو اس سے بڑا اور گھاٹے کا سودا کچھ نہیں ہوسکتا۔

فرائض کی اہمیت

فرض چھوڑنے کا مطلب اپنی بنیاد کھوکھلی کرنا ہے، اور اگر بنیاد ہی نہ ہو تو آگے پھر کس چیز پر عمارت تعمیر ہوگی، اس لیے یہ واضح رہنا چاہیے کہ فرائض بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اگر آپ نے یہ بنیاد مضبوط کرلی تو آپ نوافل کی عمارتیں جتنی چاہیے کھڑی کرتے چلے جایئے، لیکن اگر آپ کے پاس فرائض کی بنیاد نہیں ہے، تو آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، یہ عمارت کا پہلا مرحلہ ہے، جتنی مضبوط عمارت آپ بنانا چاہتے ہیں، بیسمینٹ اتنا ہی مضبوط ہونا چاہیے، جب بیسمینٹ آپ نے مضبوط بنالیا تو آپ اوپر عمارت بناتے چلے جایئے، سو منزلہ نہیں دو سو منزلہ بنالیجئے، لیکن اگر آپ کا بیسمینٹ مضبوط نہیں ہے تو کچھ چلنے والی بات نہیں ہے، حقیقت میں فرائض کی حیثیت بیسمینٹ کی ہے، اس کو مضبوط ہونا ضروری ہے، اور اس کا وجود ضروری ہے، اگر فرائض نہیں ہیں تو قرب الٰہی کا کوئی راستہ ہمارے پاس نہیں ہوسکتا، اسی لیے فرمایا گیا کہ سب سے زیادہ جس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے وہ فرائض ہیں، لیکن ہم لوگوں کا عجب مزاج ہے کہ نوافل میں ہمارا جی لگتا ہے اور فرائض میں نہیں لگتا، بہت سے لوگ باقاعدہ کہتے ہیں کہ ہمیں نوافل میں جو لطف آتا ہے اور خشوع حاصل ہوتا ہے، فرائض میں نہیں ہوتا، اس کی یہی وجہ ہے کہ شیطان آدمی کو فرائض سے زیادہ غافل کرنا چاہتا ہے، تاکہ

www.abulhasanalinadwi.org

بنیاد ہی کھوکھلی کردے، جب بنیاد کھوکھلی ہوجائے گی تو اوپر کی جتنی عمارت تعمیر ہوگی فلک بوس ہوجائے گی، بالکل خاک میں مل جائے گی، سب بکھر کر رہ جائے گی، کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا، سب ختم ہوجائے گا، اور شیطان یہی چاہتا ہے کہ وہ انسان کو فرائض سے غافل کرے، اس کا نتیجہ ہے کہ اول تو فرائض میں جو نمازیں ہیں ان نمازوں کا اہتمام نہیں، پھر اس کے بعد زکاۃ کا اہتمام نہیں، جو زکوۃ نکالنے والے ہیں وہ بھی زیادہ تر نفل کے چکر میں رہتے ہیں، کچھ پیسہ نکال دیا اور اس کے بعد کوئی حساب کتاب نہیں، ہمارے پاس کتنا پیسہ ہے؟ اس کی کتنی زکاۃ نکلے گی؟ یہ سب تفصیل کچھ نہیں، بلکہ تھوڑی رقم نکال دینے کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھتے ہیں، معلوم رہے زکاۃ اس طرح ادا نہیں ہوتی، اس کا حساب کرنا ضروری ہے، حساب کرکے زکاۃ دی جائے گی، اسی طرح رمضان کے جو فرض روزے ہیں، ان کی اپنی جگہ پر اہمیت ہے، جس پر حج فرض ہے اس کی اپنی جگہ پر اہمیت ہے۔

واجبات کی اہمیت

عبادات کے علاوہ بہت سے واجبات ہیں، جن کا تعلق معاملات سے ہے، جن کا تعلق اخلاق سے ہے، جن کا تعلق معاشرت سے ہے، انہیں واجبات میں بڑے بڑے گناہوں سے بچنا بھی شامل ہے، اس سے بچنا ہمارے اوپر گویا ایک بنیادی و لازمی ذمہ داری ہے، اس سے اگر ہم بچیں گے تو گویا ہم فرائض پر چلنے والے ہیں، اور اگر گناہوں سے نہیں بچیں گے تو اس کا مطلب بھی یہ ہوگا کہ ایک بڑے فرض کو ہم نے چھوڑا، جس طرح نماز کا پڑھنا ضروری ہے اسی طرح زنا سے بچنا ضروری ہے، اور بڑے بڑے گناہوں سے بچنا ضروری ہے، چوری سے بچنا ضروری ہے، پرایا مال ناحق کھانے سے بچنا ضروری ہے، میراث کی تقسیم صحیح کرنا ضروری ہے، اور اسی طرح بہت ساری ہماری زندگی کے جو بہت سے شعبے ہیں، وہ سارے کے سارے جن میں ضروری چیزیں ہیں لازمی چیزیں ہیں، معاملات کا صاف ہونا، ہر ایک کے حق کو ادا

www.abulhasanalinadwi.org

کرنا، ماں باپ کا حق سمجھنا، پڑوسی کا حق سمجھنا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، یہ سب چیزیں واجبات میں شامل ہیں، افسوس کی بات ہے کہ ہم نے اپنی فہم کے مطابق دین حنیف کو تقسیم کر رکھا ہے، ہم عبادات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ دین کا حصہ ہیں، لیکن معاملات کے متعلق ہماری ذہنیت یہ ہے کہ ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر دین سے تعلق سمجھتے بھی ہیں تو نفل کے درجہ میں، ہم اس کو فرض نہیں سمجھتے، حالانکہ جس طرح نماز فرض ہے، اسی طرح جو بڑے بڑے گناہ ہیں ان سے بچنا بھی فرض ہے، ماں باپ کے ساتھ قطع رحمی کرنا، ان سے ناطہ توڑنا، ان کے ساتھ بدسلوکی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ ناطہ توڑنا، اور جو ایمان والے ہیں ان ایمان والوں کو جان بوجھ کر تکلیف پہنچانا، یہ ساری چیزیں بڑے بڑے گناہوں میں شامل ہیں، اگر ہم اس سے نہیں بچتے، تو گویا ہم فرائض پر پورا عمل نہیں کر رہے ہیں، اور جب فرائض پر پورا عمل نہیں ہوگا تو ہم کبھی بھی اللہ کا قرب حاصل نہیں کر سکتے، اگر ہم ساری زندگی نوافل میں گذار دیں اور میراث صحیح تقسیم نہ کریں یا کسی کے کھیت کو ہڑپ کر لیں، کاروبار میں کسی کی شرکت ہے، کوئی فیکٹری ہے، یا کچھ اور ہے، اس میں شرکت ہے اس میں دوسرے کا حق مار لیں، اس کا حق ادا نہ کریں اور زندگی بھر نفل پڑھتے رہیں تو یقینی بات ہے اس نفل سے ہم کو کچھ نفع حاصل نہ ہوگا، بیسمینٹ جب صحیح نہیں ہے، بنیاد جب صحیح نہیں ہے، تو کتنی ہی اونچی عمارت بنا دیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

نوافل کی اہمیت

ہماری زندگی کی یہ ایک اہم ترین چیز ہے کہ ہم فرائض کا حد درجہ اہتمام کریں، اگر ہم سے نفل میں کوتاہی ہو رہی ہے، کوئی حرج نہیں، لیکن فرائض میں کوتاہی نہ کی جائے، اصلاً یہ نوافل فرائض کی تکمیل کے لیے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے فرائض لائے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس میں کچھ کمی محسوس کرے گا، خشوع میں کمی ہے، یا کیفیت میں کمی ہے یا بھول چوک ہے، تو اللہ تبارک و

www.abulhasanalinadwi.org

تعالیٰ فرمائے گا ان کے نامہ اعمال میں دیکھو کیا کچھ نفل موجود ہیں؟ فرشتے کہیں گے؛ نفل ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ فرائض کی کمی کو نفل سے پورا کر دیا جائے، لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب فریضہ ہے ہی نہیں تو کمی کیسے پوری کی جائے گی، کمی تو جب پوری کی جائے گی، جب فریضہ موجود ہو، اسی لیے فرمایا؛ سب سے زیادہ قرب فرائض سے ہوتا ہے، اور پھر یہ بھی فرمایا: برابر بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ سے قریب ہوتا جاتا ہے، یعنی فرائض کے اہتمام کے بعد جب نوافل کا اہتمام بھی ہوتا ہے، صدقات میں، خیرات میں، نمازوں میں، اخلاق میں، کردار میں، برتاؤ میں، ہر چیز میں، چونکہ ہر چیز کی نوافل ہیں، ایک ہے ضروری برتاؤ کرنا، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جو ضروری ہے، ایک ہے اس سے بڑھ کر کرنا جو اور ذمہ داری ہے اس کو اور زیادہ بہتر طریقہ پر نباہنا، جتنا حق ہے اس سے زیادہ دینا، یہ اس کا نفل ہے، ایک فرض ہے اور ایک نفل ہے، تو جب آدمی نوافل میں لگتا ہے، ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی، ہر ایک سے ایمانی بنیادوں پر تعلق، تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ سے برابر قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی بات فرمائی، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گویا انسان کی زندگی اللہ کی مرضی کے سانچہ میں ڈھل جائے۔

محبت کی انتہائی مثال

حدیث شریف میں فرمایا گیا؛ ''میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے''، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب وہ شخص اپنے کان سے وہی سنتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی ہے، اس سے ہٹ کر ایک معمولی سی آواز بھی اس کے کان میں

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں جاتی، اسی طرح فرمایا گیا ''اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے'' گویا اب وہ اپنے ہاتھ سے وہی کام کرتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، اس سے ہٹ کر وہ کر ہی نہیں سکتا اور کرتا ہی نہیں ہے، اس کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسی صفت پیدا ہوجاتی ہے، وہ محفوظین کی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے محفوظ بنادیتے ہیں، اور بفضل الٰہی گناہوں سے بچ جاتا ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کتنی بڑی جماعت تھی، جن کو محفوظ کہا جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو گناہوں سے بچایا تھا، ان کی زندگیاں دیکھتے جایئے گناہ کا ایک دھبہ نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ چیز فرائض کے اہتمام کی بنیاد پر عطا فرمائی تھی، پھر انہوں نے نوافل کا جو اہتمام کیا، اس کے نتیجہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت ملی، اور ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ اللہ سے محبت کرنے والے، اللہ ان سے محبت کرنے والا، قرآن مجید میں فرمادیا گیا؛﴿رَّضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواۡ عَنۡهُ﴾ یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اور انہیں کے بارے میں ایک جگہ یہ بھی ہے کہ وہ اللہ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے ہیں؛﴿وَالَّذِیۡنَ آمَنُواۡ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰه﴾ یعنی جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں، گویا ان کی محبت صرف اللہ سے ہے، باقی جو محبتیں ہیں، اس کی بنیاد اللہ کی محبت ہے، ظاہر ہے جب کسی انسان کی یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی پوری زندگی کو اپنی مرضیات کے سانچہ میں ڈھال دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے سارے کام خیر کی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں، اور اس کی ایسی نازبرداری کی جاتی ہے کہ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، وہ پناہ چاہتا ہے اللہ پناہ دیتا ہے، وہ جو چیز بھی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اولیاء اللہ سے دعاؤں کی درخواست کی جائے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ سے دعاؤں کی درخواست کرنی چاہیے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے دعا کی درخواست کی فرمایا:

www.abulhasanalinadwi.org

"لَا تَنْسِنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ"(۱)

(بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھلا دینا)

اسی طرح حضرت اویس قرنیؒ کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ ملیں تو ان سے تم دعا کرانا، غور کا مقام ہے کہ ایک صحابی سے تابعی کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ ان سے دعا کرانا۔

قبولیت دعا کا راز

اس سے معلوم ہوا کہ بڑا چھوٹے سے کہے، چھوٹا بڑے سے کہے، ایک دوسرے کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، جو دعا پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ وہ دعا قبول ہوتی ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دعا کے وقت فرشتے ساتھ بٹھا دیتے ہیں، لہٰذا بندہ اپنی دعا میں جو کہتا ہے، فرشتے اس کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے، اور جو اللہ کے بڑے خاص بندے ہیں، اولیاء اللہ ہیں، ان کی دعا اللہ ضرور قبول فرماتا ہے، ضرور کا مطلب یاد رہے کہ اگر کوئی یہ عقیدہ قائم کرلے کہ وہ جو چاہیں گے کروالیں گے، تو یہ شرک ہوجائے گا، ایسا نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں گے کروالیں گے، بلکہ اصل یہ ہے کہ وہ اپنی ناک رگڑ چکے ہیں، عبدیت میں مکمل ہوچکے ہیں، بندگی کی ساری شکلیں اختیار کرچکے ہیں، اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مٹا چکے ہیں، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اپنا بنالیا ہے، اور اب وہ جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی سنتا ہے، لیکن جب مالک حقیقی چاہے گا سنے گا اور جب چاہے گا رد کردے گا، اس کی واضح مثال نبی اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کی ہدایت کا مسئلہ ہے، جن کے لیے آنحضرت ﷺ نے بہت کوششیں کیں، لیکن ارشاد ہوا؛

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾

(القصص: ٥٦)

(آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے، ہاں اللہ جس کو چاہتا

(۱)سنن أبي داؤد، كتاب الوتر، باب الدعاء: ۱۵۰۰

www.abulhasanalinadwi.org

ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے)

عبرت کا مقام ہے، دونوں جہان میں اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوسکتا، لیکن ان سے بھی صراحۃً کہہ دیا گیا کہ آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت نہیں ملے گی، ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، گویا اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ دکھادیا کہ بندہ بندہ ہے اور رب رب ہے، لہٰذا مذکورہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے جن خاص بندوں کا تذکرہ ہے، جن کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ میں ان کا ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، ان کی آنکھ کان بن جاتا ہوں، یہ خدانخواستہ کوئی خدائی میں شرکت والی بات نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے ہی ہیں، اور ان کے اندر جو بندگی کی اعلیٰ ترین شکلیں ہیں اس کی وجہ سے اللہ نے ان کو اپنا بنایا ہے، یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں سنتا ہے، اور ایسے لوگوں سے دعا کرانی چاہیے، یقیناً اس سے ضرور فائدہ ہوتا ہے، لیکن یہ سمجھ کر کرانی چاہیے کہ یہ لوگ اللہ کے سامنے بندگی کرتے ہیں، اللہ کے دربار میں اپنی پیشانی کو خاک پر رگڑتے ہیں، اپنی ناک خاک آلود کرتے ہیں، اس لیے اللہ ان کی سنتا ہے، اور ظاہر ہے جو بھی ایسا کرے گا اللہ اس کی سنے گا۔

حدیث بالا کا پیغام

اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو خاص بندے یعنی اولیاء اللہ ہیں، ان کا احترام کیا جائے، ان کی شان میں گستاخی نہ ہو، ان پر تبصرے نہ کیے جائیں، کبھی ان کی کوئی غلطی ہو بھی گئی ہو، تو اس کا چرچا بار بار نہ کیا جائے، اس لیے کہ وہ اللہ کے دوست ہیں اور اللہ اپنے دوستوں سے پیار کرتا ہے، اگر کوئی ان کے ساتھ کھلواڑ کرے گا تو اللہ ایسے شخص کو نہیں چھوڑے گا، اسی کے ساتھ یہ پیغام بھی ہے کہ جو شخص بھی اللہ کا ولی بننا چاہے اس کا نسخہ موجود ہے، فرائض کا خوب اہتمام کیا جائے، واجبات ادا کیے جائیں، پھر نوافل کا اہتمام کیا جائے، جہاں تک ہوسکے اس کی کثرت کی جائے، یہ قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کا قرب پیدا ہوتا ہے تو اللہ کی محبت پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

ہوجاتی ہے، جب اللہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے تو اعمال کا کرنا آسان ہوجاتا ہے، گویا چار بنیادی باتیں آگئیں، اپنا عقیدہ مضبوط رکھنا ہے، نیت درست رکھنا ہے، کام صحیح کرنا ہے، اور اللہ و رسول کی محبت پیدا کر کے اپنے لیے حلاوت ایمانی کا انتظام کرنا ہے، جب ایمان کی حلاوت مل جاتی ہے تو پھر ہر کام آسان ہوجاتا ہے، سماج کی مہلک بیماریاں رفع کرنا بھی آسان ہوتا ہے، اور اپنے گھروں کی شادی بیاہ میں اسراف سے بچنا بھی نصیب ہوجاتا ہے، بہن اور بیٹی کو میراث میں حق دینا آسان ہوجاتا ہے، اور اس طرح کی تمام غلطیوں سے دوری آسان ہوجاتی ہے، اور معاشرہ اسلامی فضا میں سانس لینے کا مستحق ہوجاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حقیقت نصیب فرمائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین.

www.abulhasanalinadwi.org

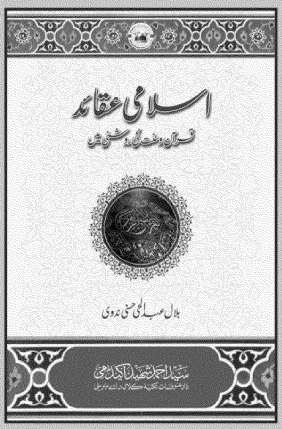

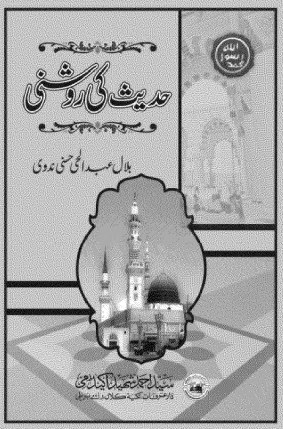

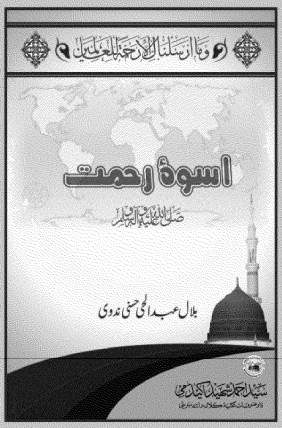

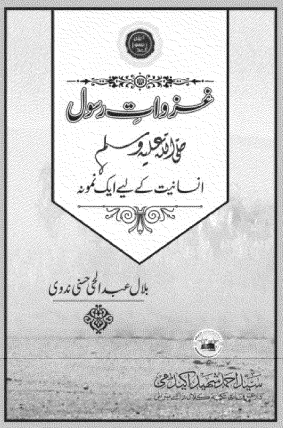

Sayyid Ahmad Shaheed Academy
Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001
website: www.abulhasanalinadwi.org Mob.: 9919331295
Designed at Dare Arafat (Mohammad Makky)